ھو الملک

اللہ اکبر

إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم

خلق و عمل و دین و دنیا را فلاح افزا کتاب

ہدیہ مسلم شدہ بہر نگاہِ انتخاب

تحفہ خادمِ خلق

اشاعت نمبر (۱)

بار اول تعداد پندرہ صد (۱۵۰۰)

ملنے کا پتہ

سیدن خادمِ خلق از گجرات پنجاب

G. Zakir ali Artist. Nagina. (U. P.)

قیمت عمر علاوہ محصول ڈاک

بسم الله الرحمن الرحیم

یا معین — یا ہادی

ھو المستعان و علیہ التکلان

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تمہید

ضروری گذارش

روشناسی کے لئے اس قدر کافی ہوگا۔ کہ راقم نابکار، ہیچمدان، روسیاہ۔ احقر العباد غرق معاصی، نواسہ کفش بردار حضرت قبلہ عالم پیر سید حیدر شاہ صاحب جلالپوری، نور اللہ مرقدہ ہے۔ جن کی یادگار میں رسالہ **صوفی** پنڈی بہاؤ الدین کو فخر اشاعت نصیب ہوا۔ احقر کے والد ماجد سید گلاب شاہ صاحب مرحوم و مغفور جو حضرت صاحب ممدوح کے ہمشیرہ زادہ بھی تھے۔ یہاں گجرات میں بہ محکمہ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ملازم تھے۔ احقر سال ۱۸۸۶ء میں یہاں آیا۔ اور ان صاحب کی خدمت میں رہ کر تعلیم مڈل تک حاصل کی۔ اور تمام گذشتہ عمر لہو و لعب میں گذاری۔ صَرَفْتُہُ الْعُمْرَ فِیْ لَھْوٍ وَّ لَعِبٍ۔ فَاٰھًا۔ ثُمَّ اٰھًا۔ ثُمَّ اٰھًا اب لاتقنطوا من رحمۃ اللہ و سبقت رحمتی علی غضبی پر نظر ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

ہر کام کا ہے وقت مقرر قدیم سے
ہوتا ہے اپنے وقت پہ ہر شخص ہوشیار

اشاعت اسلام و تبلیغ کا کام اگرچہ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ مگر بالخصوص وہ سادات کا ہی کام تھا۔ خواجہ صاحب شیرازیؒ

بازارچہ گاہے گاہے بر سر نہند کلاہے
مرغان کاف دانند آئین پادشاہی

اس موقعہ پر اس قدر عرض کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ کہ سید کی شان کیا ہے۔ کسی بزرگ نے اس کو یوں ادا کیا ہے۔ سیداں را از کدام احوال و از کدام افعال و کدام اعمال و از کدام اقوال شناختہ میشود۔ از شریعت و قدوم محمدی۔ و خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم و صدق از صدیقؓ و عدل از عمرؓ و حیا از عثمانؓ و شجاعت از علی رضی اللہ عنہم و عزائے از حضرت محمد رسول اللہؐ و ترک دنیا از فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا و سعادت و رضا و ارادت و سخاوت از حضرت امام حسنؓ و امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔ ابیات:۔

گر تو خواہی سیدا مجلس رسول ؐ — طلب کن اللہ و حدیث حق وصول
گر تو خواہی سیدا مجلس نبیؐ — طلب کن اللہ بر دین شو قوی
گر تو خواہی سیدا فی اللہ فنا — غرق فی التوحید شو با مصطفیٰ

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ

جب ذات میں یہ نشان باقی نہ رہے۔ اور انہوں نے علم دین پڑھنے ہی سے اعراض کر لیا۔ تو پھر یہ کام نااہل ارباب کے ہاں چلا گیا۔ اور اشاعت اور تبلیغ میں ہوائے نفس کو بھی پورا پورا دخل ہو گیا۔ تو اسلام کی یہ حالت ہوئی جس کو آج کل اہل بصیرت دیکھ کر محو حیرت ہیں۔ مدت سے بزرگ فرماتے گئے ہیں۔ کہ مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب

چند ماہ گذرے ہیں۔ کہ حضرت صاحب ممدوح رضی اللہ عنہ نے خواب میں احقر کو ایک نورانی شکرہ عنایت فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ سیدن شاہ تم وعظ کیا کرو۔ یہ ارشاد عالی سن کر میں مبہوت ہو گیا۔ کہ یہ عظیم الشان کام کس طرح مجھ جاہل اور ان پڑھ سے ہو سکیگا۔ اسی سوچ و بچار میں تھا۔ کہ مولوی عبدالعزیز صاحب برناوی میرے پاس تشریف لائے۔ اور گویا ہوئے کہ جناب حضرت صاحب غریب نواز نے خواب میں جناب سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپوری کو حکم دیا ہے۔ کہ فضل شاہ تم وعظ کیا کرو۔ تب مجھے کچھ ڈھارس ہوا۔ اور کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ پہ خیال دوڑایا۔ بادی النظر میں اس میں یہی راز مضمر معلوم ہوتا ہے کہ تخم اسلام کو اگرچہ پروردگار نے حضرت غریب نواز سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری سے پہلے اس ہندوستان میں نصب فرمایا تھا۔ اور علماء ربانی و صوفیائے کرام کے ذریعہ اس کی پرورش کرانی شروع فرمادی تھی۔ مگر اس کے کمال کی [illegible] کا فخر غریب نواز حضرت صاحب ممدوح کو ہی اپنے فضل عمیم سے عطا فرمانا [illegible] [illegible] ہندوستان میں [illegible] [illegible] [illegible] پروردگار کو یہ منظور ہوا۔ کہ تبلیغ اور

اشاعت کا سہرا دوبارہ چشتی خاندان کے سر پر باندھا جاوے۔ تو حضرت صاحب غریب نواز جلالپوری نے اپنے سجادہ نشین حضرت سید محمد فضل شاہ صاحب کو خواب میں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ **فضل شاہ تم وعظ کیا کرو۔**

بفضل رب العالمین سجادہ نشین صاحب موصوف علم بفضل و کمال سے محلا ہیں۔ اس فرمان عالی کی تعمیل میں بلا تامل و تاخیر بمقولے:۔

صوفی از صومعہ بیا خیمہ بزن در گلزار
وقت آں نیست کہ در خانہ نشینی بیکار

میدان میں نکل آئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مولٰنا ابوالکلام آزاد نے متعلق عزیمت و دعوت تحریر فرمایا ہے:۔

مَنْ لَمْ یَکُنْ لِلْوِصَالِ اَھلًا
فَکُلُّ طَاعَاتِہٖ ذُنُوْبٌ(۱)

اگرچہ دنیا بظاہر علم و فضیلت سے لبریز ہوتی ہے۔ اور بڑے بڑے اصحاب طنطنہ و شہرت وارباب نخوت و عظمت موجود ہوتے ہیں۔ مگر کسی کو اس کی توفیق نہیں ملتی۔ کہ اپنے عہد و دور کی طلب دعوت اور سوال قیام ہدایت پر مردانہ وار لبیک کہے۔ اور ظلمت کدۂ ضعف و ماندگی سے نکل کر راہ عزیمت و دعوت میں قدم رکھے اور اگرچہ دروازہ سعادتِ الٰہی باز اور خزائنِ رحمت و نصرتِ ربانی ہموارہ در صدد بخشش و یغما ہوتے ہیں۔ مگر سینکڑوں ہزاروں علماء عہد اور اصحاب خوانق و صوامع میں سے کسی کو بھی اس عہد

(۱) جو وصل کا اہل نہیں۔ اس کی تمام اطاعتیں گناہ ہیں۔

کے احیاء و تجدید اور طائفہ منصورہ مَنْ یجدد لہا دینہا میں داخل ہونے اور جماعتِ علیہ یحبھم و یحبونہٗ[1] میں محدود و محشور ہونے کی توفیق نہیں ملتی۔ تاآنکہ پردۂ ظلمت چاک ہوتا۔ اور یکایک صبح ہدایت وسعادت مشرق تجدید و انبعاث سے عالم افروز وجہانتاب ہوتی ہے۔ تو اس وقت تم دیکھتے ہو۔ کہ جس راہ میں قدم رکھنے سے ایک عالم درماندہ و ناچار تھا۔ اچانک ایک مرد ہمت اٹھتا ہے۔ اور نہ صرف قدم رکھتا ہے۔ بلکہ دوڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔ راہ کی مشکلیں وصعوبتیں جو ضعفاء عہد کے لئے مصیبتوں کا پہاڑ اور ہیبتوں اور دہشتوں کی گھاٹیاں تھیں۔ اور جن کے وہم و تصور سے بیچارگانِ وقت کی ارواح پر ایسی دہشت وہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ کانّھم یساقون الی الموت وَھُمْ ینظرونَ[2]۔ تو وہ سب اس کے جولان قدم کے لئے ایک مشت غبار اور ایک تو دہ خس و خاشاک سے زیادہ حکم نہیں رکھتیں۔ سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔ اور وہ بڑھکر دعوتِ عزیمت و ہدایت عامہ کا باب مسدود کھول دیتا ہے۔ اور اس کی زبان ہمت و مقال فتوت اس ترانۂ رجز سے زمزمہ ساز بزم عالم اور عالمیان ہوتی ہے۔

تاب یک جلوہ بیاور دنہ موسیٰ و نہ طور۔ ایں دلم ہست کہ زیں گونہ ہزاراں دیدہ است

۱۔ وہ ان سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔

۲۔ گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں۔ اس حالت میں کہ اسے دیکھتے ہیں۔

پروردگار عالمیان: آنصاحب کو ان کے دلی ارادوں میں کامیاب کرے۔
آمین ثم آمین۔

اب باقی رہا یہ امر کہ احقر کو حسب کو حضرت صاحبؒ غریب نواز جلالپوری نے خواب میں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ سیدن شاہ تم وعظ کیا کرو۔ کیا کرنا چاہیئے۔ اس ارشاد کی تعمیل میں کمترین نے عزم بالجزم کرلیا ہے۔ کہ انجمن حزب اللہ کے مبلغین و خواندہ ممبران کے واسطے کچھ مضامین شایع کرائے۔ سردست یہ تحفہ خادم خلق نمبر ا شایع کیا جاتا ہے۔ اگر پروردگار کو منظور ہوا اور زندگی نے وفا کی۔ تو انشاءاللہ وقتاً فوقتاً دیگر نمبرات بھی شایع کراؤنگا۔
اب آپ صاحبان مضامین بغور مطالعہ فرمادیں۔ اور خُذ ما صفا و دَعْ ما کدر کے مصداق بنیں

ع توخود حدیث مفصل بخوان ازیں مجمل

اور اپنے آپ کو پہچانیں۔ تاکہ آپ صاحبان کو معرفت الہی حاصل ہو۔ اور رسول اللہ صلعم فداہ امی وابی کے تعامل پر خلوص دل سے کاربند ہوں۔ سہ

حق کی تلاش میں ہے تو دیکھ اپنے آپکو۔ خود کو نہ پائے گا تو خدا کو نہ پائیگا۔

اس دنیا دارالمحن میں انسان کے بھیجے جانے کا منشاء ایزدی یہی ہے۔ کہ معرفت الہی حاصل کیجاوے۔ اور اس کے اسم مبارک کا نمو سمو وعلو کیا جاوے۔ یہ نعمت زبانی باتیں بنانے سے ہرگز حاصل نہیں ہوتی ہے۔ تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کی ضروری شرط ہے۔ دنیا میں یہی کام کے دام ملتے ہیں۔ کچھ کرنے ہی سے کچھ ملتا ہے۔

سہ [illegible]

سے دورہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور نہایت مسرت آمیز خبر جو احقر کو ملی ہے ہے۔ کہ آنصاحب نے پہلے ہی سے اعلان فرما دیا تھا۔ کہ وہ کسی کی نذر یا دعوت قبول نہیں فرماویں گے۔ چنانچہ جو خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ ان سے ثابت ہو گیا ہے۔ کہ آنصاحب کے اس اخلاص اور ایثار نے مخلوق کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا ہے جب کوئی مرید نذر پیش کرتا ہے۔ تو آنصاحب واپس فرما دیتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو آپ کا مطمح نظر اس آیت قرآنی پر ہے۔ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۝ پ ۱۲ ۳/۱۱/۳ ترجمہ:۔ اے میری قوم میں اس کے (اشاعت تبلیغ واسلام) کے بدلے تم سے مال نہیں چاہتا۔ میرا اجر صرف اللہ پر ہے۔ تفسیر:۔ تمام انبیاء علیہم السلام عالم کی ایک ہی شان نظر آتی ہے کہ دنیا کے مال کی ان کے دلوں میں کچھ عظمت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی جو محنت اور خدمت قوم کی یا نسل انسانی کی وہ کرتے ہیں۔ اس کا معاوضہ لیتے ہیں۔ ایک نمایاں شان ان کی یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ ایثار اور بے نفسی کا کامل ترین نمونہ انسانی کے لئے ہوتے ہیں۔ جو مال ان کے ہاتھ میں ہو۔ وہ بھی مخلوق خدا کی خدمت میں صرف کر دیتے ہیں۔ اور مال کمانے کی ان کو قطعی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ یہ نمونہ بھی اپنے کمال میں فداہ امی وابی محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ہی نظر آتا ہے۔ اور درحقیقت تمام انبیاء علیہ السلام کے تذکرہ میں اصل غرض آنحضورؐ کے مقام بلند کی طرف توجہ دلانا ہے۔ جس سے سامعین روشنی حاصل کر سکتے ہیں ۔

اگرچہ اس عہد میں ہزاروں مدعیان کار موجود ہوں۔ مگر اس فضیلت خاص میں اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہوتا۔ صرف اسی کو اس عہد کی اقلیم ہدایت کی سلطانی و فرمانروائی پہونچتی ہے۔ اور صرف وہی اپنے زمانے کا کلید بردار خزائن برکات و فیضان سماویہ ہوتا ہے۔ تمام اصحاب طریق ناچار ہوتے ہیں۔ کہ اپنے اپنے چراغ اسی مصباح ہدایت سے روشن کریں۔ اور تمام راہروان جادۂ مقصد مجبور ہوتے ہیں۔ کہ اسی کے کاروان و قافلۂ کرامت کی آوازِ درا پر اپنے اپنے قدم اٹھائیں۔ وَ هٰذِهٖ مَنْزِلَةٌ جَلِيلَةٌ وَ مَرْتَبَةٌ عَظِيمَةٌ لَا تُسَادِيهَا مَزِيَّةٌ وَ لَا تُعَادُ لُهَا مَنْزِلَةٌ وَ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ[1]۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کیواسطے دار و رسن کہاں

سجادہ نشین صاحب موصوف نے ایک انجمن حزب اللہ قایم کی ہے۔ اور اپنے پرخلوص مریدان سے اس کے ممبران بھرتی کرنے شروع کر دیے ہیں۔ ممبران کو قواعد انجمن رجو محض اطاعت الٰہی اور سنت نبوی کی پیروی خلوص دل سے کرنی ہوگی، پر کاربند رہ کر دوسرے لوگوں کے واسطے نمونہ بننا ہوگا۔

آں صاحب نے فی الحال انسداد رسم درواج مروجہ جن سے مسلمانوں کی مال و جان اور عزت کا استیصال ہو چکا ہے۔ اور نہ وہ دنیا کے رہے ہیں۔ اور نہ دین کے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۲۵

[1] یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہے بخشے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ے کچھ کام کرو کام یوں بے کار نہ بیٹھو۔ چلنے کرنی ہے منزل پہلو زنہار نہ بیٹھو

ے
دادیم ترا ز گنج مقصود نشان
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

والسلام

احقر سیدن شاہ خادم خلق
از گجرات پنجاب ۱۲ ۳/۲۰

حدیثِ قدسی [1]: کُنتُ کَنزاً مُخفِیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرِفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے تھا میں خزانہ میں چھپا ہوا پس چاہا میں نے جو پہچانا جاؤں پس پیدا کیا میں نے خلقت کو۔

محبت

بچھا جب نہ دنیا میں تھا فرشِ خاکی ۔۔۔ نہ قایم تھی یہ بے ستون چھت سما کی

نہ تھی نہ عالم میں نشو و نما کی ۔۔۔ فقط ذات ہی ذات تھی اک خدا کی

محبت کی اس وقت بھی وہ ضیا تھی ۔۔۔ کہ ڈوبی ہوئی اس میں شانِ خدا تھی

محبت خدا تھی خدا تھا محبت ۔۔۔ محبت پہ موقوف تھی اس کی قدرت

محبت کی اس وقت تھی وہ حقیقت ۔۔۔ کہ بن ہی گئی وجہ ایجادِ خلقت

تو کی محبت ہوئی جب خدا کو ۔۔۔ تو پیدا کیا اس نے ہر دوسرا کو

جو تھا مجمع نورِ ذاتِ احد میں ۔۔۔ لگا پھیلنے کائناتِ احد میں

نہاں تھی محبت صفاتِ احد میں ۔۔۔ عیاں ہو گئی خواہشاتِ احد میں

ہراک شے میں جلوہ ہوا اس کا ظاہر ۔۔۔ ہراک مادہ ہو گیا اس سے ظاہر

[1] حدیث قدسی کی تعریف - اس حدیث کو کہتے ہیں - کہ حضرت صلعم اس مضمون کو بیان فرمائیں کہ خدا نے یوں فرمایا - قرآن شریف اور حدیث قدسی میں صرف اتنا فرق ہے کہ قرآن کے الفاظ اور مضمون دونو خدا کے ہیں - حدیث قدسی کا مضمون من جانب اللہ ہوتا ہے - اور الفاظ حضرت صلعم کے ۔

بنائے گئے مادّے جتنے تھے ذرّے | محبت ہوئی ایک کو دوسرے سے
ملے ذرّے جب ایک سے ایک کھچکے | تو قایم ہوئے شکل میں ایک شے کے
بنی چاند سورج ستاروں کی صورت | متبدّل ہوئی نور سے سب کدورت
محبت کشش بن کے ذرّوں میں آئی | پڑھی قوت مرکزی کی دُہائی
ملا جسم جو اس میں جا کر سمائی | لگی کرنے ہر شے پہ زور آزمائی
ثوابت کو ٹھہرا دیا ایک جا پر | زمین کو پھرایا معلّق ہوا پر
محبت نے پھر اور عالم دکھایا | قمر کو مسخّر زمین کا بنایا
زمین کو جو خورشید کا نور بھایا | محبت نے گرد اس کے اس کو پھرایا
زمین و قمر۔ آفتاب و زمین کا | ہوا حال شمع اور پروانے کا سا
غرض اس محبت ہی کا ہُما تھا | کہ تکوینِ خلقت پہ خالق فدا تھا
نہیں کوئی جب اس خدا کے سوا تھا | محبت کا جلوہ خدائی نما تھا
یہی اک محبت تھی اک دوسری کی | کہ قایم ہوئی جس پہ دارِ ہستی
یہی کنزِ مخفی، کون و مکان ہے | یہی وجہ یکجائی جسم و جان ہے
یہی پر ثبات زمین و زمان ہے | یہی باعثِ گردشِ آسمان ہے
بقا کو اسی کا سہارا ہے دائم | اسی اک پہ کل دارِ ہستی ہے قایم
یہی دیر میں ہے۔ یہی ہے حرم میں | یہی لوح پر ہے۔ یہی ہے قلم میں
یہی ہے ستم میں یہی ہے کرم میں | یہی ہے خوشی اور یہی رنج و غم میں

۹ بدلا گیا۔ بدلا ہوا
۱۰ جو بنا ہوا ہو چکے نہیں کرتے
۱۱ سے نکلا ہوا

سبب سب سے پہلا یہ موجود کا ہے — نتیجہ یہی عالمِ بود کا ہے

یہی حسن میں ہے یہی ہے ادا میں — یہی شرم میں ہے یہی ہے حیا میں

اسیکی جھلک ہے رخِ دلربا میں — یہی عشوہ و ناز و جور و جفا میں

نزاکت یہی ہے۔ نفاست یہی ہے — یہی فہم ہے اور فراست یہی ہے

تمنا کا یہ بارآور شجر ہے۔ — نہالِ ترقی کا نورس ثمر ہے

تمدن کے محدود احاطے کا در ہے — تمول کے چرخِ بریں کا قمر ہے

یہ ہے الغرض حسنِ عالم کا باعث — یہ ہے آخرش فخرِ آدم کا باعث

حرم میں جسے سب نے اللہ سمجھا — برہمن نے کی دیر میں جسکی پوجا

کلیسا میں کہتے ہیں جس کو جیہودا — بنا چرخ میں جو ہے بیٹا خدا کا

شعاعِ لطیف اک اسی نور کی ہے — ضیائے منور اسی طور کی ہے

دلیروں کی مردانگی میں یہی ہے — حکیموں کی فرزانگی میں یہی ہے

رقیبوں کی بیگانگی میں یہی ہے — ہم ایسوں کی دیوانگی میں یہی ہے

یہی بازوئے کوہکن کی ہے طاقت — ارسطو فلاطوں کی ہے یہ لیاقت

عدالت میں انصاف کی شکل پائی — صفِ فوج کو جانثاری سکھائی

تمدن صفت سوئے بازار پائی۔ — بنی عیش و راحت محل میں سمائی

بنی صبر و طاقت یہ دہقانیوں کی — بچھی جاکے یہ سیج پر رانیوں کی۔

کہیں درد بنکر یہ جلوہ کناں ہے — کہیں یہ دوائے دلِ عاشقاں ہے

کہیں تیزیٔ ناوکِ دلستان ہے | کہیں باعثِ راحتِ جسم و جان ہے
شفا ہے کہیں لاعلاجی کہیں ہے | کہیں حسنِ خلق ہے بدمزاجی کہیں ہے
اسی کا سبق درسگاہوں میں دیکھا | اسی کو مسافر نے راہوں میں دیکھا
جدائی کی پُردرد آہوں میں دیکھا | شبِ وصل نیچی نگاہوں میں دیکھا
اسی کی ضیا جسم میں جان میں ہے | یہی دین میں اور ایمان میں ہے
احد میں سمائی جو میم محبت | تو پیدا ہوئی اس سے احمدؐ کی صورت
بڑھی بعد ازاں حسن کی حد سے عزت | ہوئی لے سے بنیاد اور تے سے تمت
جداگانہ ہر حرف کی یہ ادا ہے | ملے چار تب ربع مسکون بنا ہے
عمل جتنے ہیں سب کی جان ہے محبت | تکلم کی گویا زبان ہے محبت
تعلق کا ظاہر نشاں ہے محبت | تبسم کی روح رواں ہے محبت
محبت نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ | کسی کے لئے آج کوئی نہ روتا
سرِ طور موسیٰ اسیکی ضیا تھی | سرِ دار انا الحق اس کی صدا تھی
سرِ عرش معراج خیر الوریٰ تھی | سرِ حوضِ کوثر پہ آبِ بقا تھی
الستُ بلیٰ گفتگو تھی اسیکی | براق اور رفرف میں خو تھی اسیکی
گلستاں میں بلبل ہوئی گل پہ شیدا | کتاں چاندنی میں ہوا پارا پارا
ہوئے زندہ جاوید ہیر اور رانجھا | پڑیں کیسی یوسف کے پیچھے زلیخا
ملک کو کیا قیدِ بابل اسی نے | کیا زہرہ کو چرخِ منزل اسی نے

بہ چشم پدر کی کہیں روشنی تھی
چھری بن کے حلق پسر پہ چلی تھی۔

کہیں نار گلزار اس سے بنی تھی
کہیں امتی۔ اُمتی۔ اُمتی تھی

سنائی بھی اس نے کہیں لن ترانی
بنی تھی کہیں خود کلام ربانی

کہیں اس کا تقدیر ہے نام رکھا
کہیں اس نے تجربہ سے کام رکھا

کہیں اس نے تسخیر کا دام رکھا
کہیں اس نے توقیر کا جام رکھا

کہیں معرفت کا خفی نور ہے یہ
کہیں عشقبازی کا دستور ہے یہ

اسی نے قبائل کو یکجا بٹھایا
اسی نے تمدن کا نقشہ جمایا۔

اسی نے اصول مذاہب بتایا
اسی نے ہر اک ملک کو ہے بسایا

یہی قوت متحد ہے دلوں کی
یہی ہادی راہ ہے عاقلوں کی

کسانوں سے کھیتی اسی نے کرائی
گڈریوں سے بھیڑ اس نے چرائی

مصیبت پڑی تو یہی کام آئی
لگی بن کے محنت یہ کرنے کمائی

یہی بجتی ہے گلہ بانوں کی نے میں
اسی کا ہے نغمہ کسانوں کی لے میں

یہی گونجی بزم کسریٰ و کے میں
یہی ہے شہ جارج پنجم کی جے میں

اسی کی ہمیشہ رہی ہے دوہائی
یہی اب بھی ہر راگ میں ہے سمائی

محبت کے گر ہم نہ محکوم ہوتے
اصول اس کے گر نہ معلوم ہوتے

تو انسانیت سے نہ موسوم ہوتے
بس اک نجم مخفی کے مفہوم ہوتے

ہی روح یہ آگے زندہ دلوں کی
ہوئی خضر رہ عشق کے منزلوں کی

نہ ہوتی حسینوں سے کچھ ہم کو اُلفت || رقیبوں سے ہوتی نہ ہم کو اذیت
جدائی کسی کی نہ ڈھاتی قیامت || شبِ وصل ہوتی نہ وجہِ مسرت
اسی نے بنایا اسی نے بگاڑا || اسی نے بسایا اسی نے اُجاڑا
بگڑ جاتی ہے افراد کی شکل و صورت || فنا ہوتی ہے اجسام دنیا کی مورت
بھری ہوتی شمس و قمر کی کدورت || خوشی کی نہ ہوتی کہیں بھی مہورت
پراگندہ ہو جاتے ذرّے زمین کے || کہیں کے کوئی ہوتے کوئی کہیں کے
سعیدؔ اس محبت کا قصّہ بڑا ہے || مگر اس طرح مختصر ہو گیا ہے۔
کہ ہرگز نہیں یہ خدا سے جُدا ہے || خدا ہے محبّت محبّت خدا ہے۔

یہی دین اپنا ہے ایمان اپنا
اسی پر دل و جان ہے قربان اپنا

جمالک فی عینی وحبک فی قلبی
وذکرک فی فمی فاین تغیب

ترجمہ :- تیرا حسن میری آنکھوں میں ہے۔ تیری محبت میرے دل میں ہے۔ اور تیرا ذکر میرے منہ میں ہے۔ پھر تو کہاں غائب ہو سکتا ہے؟

خدا کی محبّت

یہی حقیقی محبّت ہے ۔ اور انسان کے لئے اعلیٰ ترین نعمت جس کو بھی عطا ہو جائے ۔ بہت سے روحانی خطرات ایسے ہیں ۔ جو انسان کے دل میں خدا کی محبت پیدا نہیں ہونے دیتے ۔ دل میں اس محبت کے پیدا ہونے کے واسطے انسان میں بہت سے اوصاف حمیدہ کا ہونا لازمی اور ضروری ہے ۔ تکمیل انسانیت کا انحصار اسی پر ہے ۔ کہ انسان کے دِل میں خدا کی محبّت پورے طور پر غالب اور مسلّط ہو ۔ اور اگر دل میں یہہ محبت پورے طور پر قابض نہیں ۔ تو بھی اس کو تمام دوسری چیزوں کی محبت پر فائق اور حاوی ہونا چاہیئے خدا کی محبت کو کما حقہٗ سمجھنا نہایت دشوار امر ہے ۔ فقہا کی ایک جماعت تو قطعی اس کی منکر ہے ۔ کہ انسان ایک ایسی ہستی سے بھی محبت کر سکتا ہے جو خود اس کی جنس نہیں ہے ۔ وہ کہتے ہیں ۔ کہ خدا کی محبت کے معنی صرف خدا کے احکام (احکامات) کی تعمیل کرنا ہے ۔ جن لوگوں کے یہہ خیالات ہیں ۔ ان کو نہیں معلوم ۔ کہ حقیقی مذہب کیا ہے ۔ تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے ۔ کہ خدا کی محبت ایک فرض ہے ۔ خداوند تعالیٰ ایمان والوں کے باب میں ارشاد فرماتا ہے ۔ (يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ) وہ ان سے محبّت کرتا ہے ۔ اور

وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور رسول صلعم فرماتے ہیں۔ جب تک انسان خدا اور خدا کے رسول سے تمام دوسری چیزوں سے زیادہ محبت نہ کرے۔ اُس کا ایمان سچا نہیں ہے۔ جب ملک الموت حضرت ابراہیمؑ کی روح قبض کرنے کے لیئے آئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیا تم نے کبھی دوست کو اپنے دوست کی جان لیتے ہوئے سنا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کا جواب ارشاد فرمایا۔ کہ کیا تم نے کبھی کوئی ایسا دوست بھی دیکھا ہے۔ جو اپنے دوست کی ملاقات پر راضی نہ ہو۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اے عزرائیل میری روح قبض کر۔ رسول اللہ صلعم نے یہ دُعا اپنے اصحاب کو تلقین فرمائی تھی اے خدا تو مجھے اپنی محبت عطا فرما اور ان کی محبت جو تجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اور وہ چیز مرحمت فرما جو مجھے تیری محبت سے قریب کر دے۔ اور اپنی محبت کو میرے دل میں ایک پیاسے کی ٹھنڈے پانی کی خواہش سے زیادہ گرانقدر کر "

حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے۔ وہ شخص جو خدا کو پہچانتا ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ شخص جو دنیا کو جانتا ہے۔ اس سے (دنیا) نفرت کرتی ہے۔ اب ہم محبت کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ محبت کے معنی طبیعت کے کسی خوشگوار چیز کی طرف مائل ہوجانے کے ہیں۔ حواس خمسہ کے باب میں یہ بات بالکل واضح ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ ہر حاسہ اس چیز سے محبت کرتا ہے۔ جو اس کے لیئے باعث مسرت ہو۔ جس طرح کہ آنکھ خوش منظر چیزیں

پسند کرتی ہے۔ اور کان کو موسیقی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ یہ اس قسم کی محبت ہے جس میں حیوان بھی سارے شریک ہیں لیکن اس کے علاوہ دل میں ایک اور بھی حاسہ ہے۔ قوت بصیرت جو حیوانات میں نہیں ہوتی۔ اس کے ذریعہ سے ہم روحانی خوبیوں اور اوصاف سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ شخص جو محض نفسانی (لذتوں) مسرتوں سے آشنا ہے۔ وہ رسول صلعم کے اس ارشاد کے معنی نہیں سمجھ سکتا۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھکو عبادت سے بہ نسبت عطریات اور عورتوں کے زیادہ محبت ہے۔ ہرچند کہ آخرالذکر چیزیں بھی آپ کو مرغوب تھیں لیکن جس کی چشم بصیرت خدا کے اوصاف و کمالات کے مشاہدہ کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ وہ دنیاوی مناظر کو چاہے وہ کتنے ہی دل آویز کیوں نہ ہوں۔ مقابلۃً حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اول الذکر قسم کے آدمی تو یہی خیال کرتے ہیں۔ کہ خوبصورتی محض سرخ و سفید صورتوں اور اعضا کے اچھے تناسب اور ایسی ہی دوسری چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ لیکن وہ اخلاقی اور روحانی خوبیوں کے دیکھنے کیلئے اندھے ہیں۔ جن کے متعلق اکثر لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ فلاں شخص ایسی ایسی خوبیوں کا آدمی ہے۔ لیکن وہ شخص جس کے پاس چشم بصیرت ہے۔ وہ اپنے بزرگان سلف سے بھی محض ان کے اوصاف حمیدہ کے سبب محبت کر سکتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی محبت و عظمت ہر مسلمان کے دل میں ان کے برگزیدہ خصائل

اور عاداتِ حسنہ کے سبب سے ہے۔ اگرچہ مدفون ہوئیں کہ ان کے جسم اطہر زیرِ خاک آسودہ ہیں۔ اس قسم کی محبت کسی ظاہری صورت یا جسم سے نہیں رکھتی۔ بلکہ باطنی خوبیوں پر منحصر ہے۔ جس طرح جب ہم کسی بچے کے دل میں کسی شخص کی محبت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس شخص کی جسمانی خوبصورتیوں کا بیان نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے باطنی اوصاف کا ذکر کرتے ہیں۔ جب ہم اس نظریہ کو خدا کی محبت پر منطبق کرتے ہیں۔ تو ہم کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ صرف اسی کی ذات ایسی ہے۔ جو حقیقتاً ساری محبت کے لائق ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس سے محبت نہ کرے تو اس کا سبب یہ ہے۔ کہ وہ اس کو پہچانتا نہیں۔ ہم کسی شخص میں جس چیز سے بھی محبت کرتے ہیں۔ تو اس لئے محبت کرتے ہیں۔ کہ وہ خدا کا پرتو ہے۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ رسول کریم صلعم سے محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ رسولؐ ہیں۔ اور خدا کے محبوب عالموں اور متقی لوگوں کی محبت حقیقتاً خدا کی محبت ہے۔ یہ بات ہم پر اور اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ اگر ہم ان اسباب پر غور کریں۔ جن سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

پہلا سبب یہ ہے۔ کہ انسان اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔ اور اس چیز سے جو اس کی ہستی کو با کمال کر دے۔ اور یہ اپنی محبت خدا کی محبت کے لئے ذریعہ بن جاتی ہے۔ کیونکہ انسان کا وجود اور اس کی تکمیل سوائے عطیۂ خداوندی کے اور کچھ نہیں۔ [illegible]

سے عالم شہود[۵۱] میں آیا۔ اور اس کی بقا اور ذرایع اکتساب[۵۲] کمال بھی۔ خدا ہی کی مہربانی پہ منحصر ہیں۔ یہ حیرت انگیز بات ہوگی۔ کہ اگر کوئی آدمی آفتاب کی تمازت سے کسی کا درخت کے سایہ میں پناہ گزین ہو۔ اور درخت کا احسان مند نہ ہو۔ کہ جس کے بغیر سایہ کا وجود ہی نہ ہوتا بجنسہٖ اسی طرح اگر خدا نہ چاہتا۔ تو نہ انسان ہوتا۔ اور نہ اس کے یہ تمام اوصاف۔ تو پھر وہ خدا کو پہچانتے ہوئے اس سے کیونکر محبت نہ کرے درا صل جاہل خدا سے محبت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس کی محبت صرف اس کے جاننے ہی سے ہوتی ہے۔ اور جاہل کو علم کہاں۔

دوسرا[۲] سبب اس محبت کا یہ ہے۔ کہ انسان اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔ اور در اصل اس کا حقیقی محسن خدا ہے۔ کیونکہ اس کے ہم جنس اس کے ساتھ جو کچھ بھی اچھا سلوک کرتے ہیں۔ وہ سب تائید خداوندی ہے۔ وہ کوئی بھی جذبہ ہو۔ جو انسان کے دل کو دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے پر آمادہ کرے۔ خواہ مذہبی خیال سے تحصیل ثواب یا طلب جاہ یا خواہش نام نیک کچھ بھی ہو۔ اس جذبہ کا محرک صرف خدا ہی ہوتا ہے۔

تیسرا[۳] سبب اس محبت کا یہ ہے۔ کہ یہ محبت پیدا ہوتی ہے۔ خدا کے اوصاف پر غور و تفکر سے۔ اس کی قوت و دانائی کے سمجھنے کی کوشش سے جس کی ایک ہلکی سی جھلک انسان میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ محبت اس محبت کے مثل ہے۔ جو ہم اپنے بزرگان سلف کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم کو ان سے کسی ذاتی منفعت

[۵۱] ظاہر ہونا۔ [۵۲] پیدا کرنا۔

پہنچنے کی توقع نہیں۔ یہ محبت نہایت بے لوث ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا "وہ بندہ مجھ کو نہایت محبوب ہے۔ جو مجھ کو کسی سزا کے خوف سے یا انعامات کی توقع پر تلاش نہیں کرتا۔ مگر محض اس فرض کے ادا کرنے کے لئے میرا طالب ہوتا ہے۔ جو میری الوہیت کا مقتضا ہوتا ہے۔

چوتھا سبب اس محبت کا انسان اور خدا کا درمیانی تعلق ہے۔ جس کا اشارہ رسولِ اکرم صلعم کے اس قول میں ہے۔ کہ خدا نے انسان کو اپنی ہی شباہت پر خلق کیا ہے۔ مزید برآں خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ میرا بندہ مجھ سے قربت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ میں اس کو اپنا دوست بنا لوں۔ اور جب میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں۔ تو پھر اس کا کان۔ اس کی آنکھ۔ اس کی زبان بن جاتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ حضرت موسیٰؑ سے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ میں بیمار تھا۔ اور تم میری عیادت کو نہیں آئے۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا۔ کہ خدایا تو تو زمین و آسمان کا شہنشہ ہے۔ تو کیوں کر بیمار ہو سکتا ہے۔ جواب ملا۔ کہ اے موسیٰ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تم نے اس کی عیادت کی ہوتی۔ تو گویا میری عیادت کرتے۔

یہ ایک ایسا مضمون ہے۔ کہ جس پر کوئی تفصیلی بحث کرنا خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ یہ عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے۔ اور ذی فہم لوگوں کے قدم بھی اس میدان میں اکثر شرک اور کفر کی طرف متزلزل ہو جاتے ہیں۔ تاہم وہ تعلق جو انسان اور خدا کے درمیان پایا جاتا ہے۔ وہ مذکورہ بالا فقہا کے خیالات کی تردید کرتا ہے۔ جن کا کہنا

ہے۔کہ انسان ایک ایسی ذات سے محبت نہیں کرسکتا جو خود اس کی جنس سے نہیں۔ لیکن پھر بھی باایں ہمہ تفاوت انسان خدا سے اس نسبت کے سبب سے محبت کرسکتا ہے۔ جس کا اشارہ اس ارشاد میں ہے۔ کہ خدا نے انسان کو اپنی ہی شباہت پر خلق کیا ہے +

دنیا میں انسانوں کے درمیان رحم وکرم اور مہر و محبت کے عناصر پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر دوستوں عزیزوں قرابت داروں، اولادوں میں میل وملاپ اور رحم و محبت ہے۔ اور جس کی بنا پر دنیا میں عشق و محبت کے یہ مناظر نظر آتے ہیں۔ تم کو معلوم ہے۔ کہ یہ اس شاہد حقیقی کے سرمایہ محبت کا کتنا حصہ ہے ؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے۔ ان میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا جس کے اثر سے وہ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں۔ باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں۔" اس لطف وکرم اور مہر و محبت کی بشارتیں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں اور کس نے گنہ گار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے ؟

صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے۔ کہ ایک شخص شراب خوری کے جرم میں بارہا گرفتار ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش ہوا۔ صحابہ نے تنگ آکر کہا "خداوند تو اپنی لعنت اس پر نازل کر یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے۔" رحمۃ العالمین کو صحابہ کی یہ بات ناپسند آئی۔ فرمایا "اس پر لعنت نہ کرو۔ کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت ہے۔"

ابن ماجہ میں ہے۔ کہ مدینہ میں ایک غریب مسلمان نے وفات پائی۔ اس کا غم کس نے کیا ہوگا۔ ہاں اس دل نے جو دنیا کا غمخوار بنکر آیا تھا۔ اس کے فراق ظاہری سے چہرۂ مبارک پر اندوہ و ملال کے آثار تھے۔ صحابہ نے پوچھا۔ کہ یارسول اللہ صلعم! آپ کو اس مرنے والے کی موت کا غم ہے۔ فرمایا" ہاں اس کو خدا اور رسول سے محبت تھی"۔ اس غریب میں اس محبت کا اثر یہ تھا۔ کہ وہ ہمیشہ زور زور سے قرآن پڑھا کرتا تھا۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے ایک صاحب کو کسی جماعت کا افسر بنا کر بھیجا تھا۔ وہ جب نماز پڑھاتے تھے۔ تو ہر نماز میں ہر سورہ کے آخر میں قُلْ هُوَ اللّٰه ضرور پڑھتے تھے۔ جب سفر سے یہ جماعت لوٹ کر آئی۔ تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس نے یہ واقعہ عرض کیا۔ فرمایا ان سے پوچھو۔ کہ اب وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ یہ میں اس لئے کرتا ہوں۔ کہ اس سورہ میں رحم والے خدا کی صفت بیان ہے۔ تو مجھ کو اس کے پڑھنے سے محبت ہے۔ فرمایا" ان کو بشارت دو۔ کہ وہ رحم والا خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے"۔

صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے خدمت والا میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ کہ یارسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا" تم نے اس کے لئے سامان کیا رکھا ہے"؟ نادم ہو کر شکستہ دلی سے عرض کی۔ کہ یارسول اللہ میرے پاس نہ تو نمازوں کا نہ روزوں کا

اور نہ صدقات وخیرات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ جو کچھ سرمایہ ہے۔ وہ خدا اور رسول کی محبت کا ہے۔ اور بس" فرمایا تو انسان جس سے محبت کرے گا۔ وہ اسی کے ساتھ رہے گا صحابہ نے اس بشارت کو سنکر اس دن بڑی خوشی منائی۔

صحیح مسلم کی روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے۔ تو فرشتۂ خاص جبرائیل سے اس کا تذکرہ کرتا ہے۔ کہ میں فلاں بندہ کو پیار کرتا ہوں۔ تو جبرائیلؑ بھی اس کو پیار کرتے ہیں۔ اور آسمان میں پکار دیتے ہیں۔ کہ خدا اس بندہ کو پیار کرتا ہے۔ تم بھی پیار کرو۔ تو آسمان والے بھی اس کو پیار کرتے ہیں۔ اور پھر زمین میں اس کو ہردلعزیزی اور حسنِ قبول حاصل ہوتا ہے۔

ترمذی میں ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے راوی ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "کہ میرا بندہ اپنی اطاعتوں سے میری قربت کو اس قدر ڈھونڈتا ہے۔ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ وہ ہاتھ بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ پکڑتا ہے۔

امام بزارؒ نے مسند میں حضرت ابوسعیدؓ سے روایت نقل کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں۔ جو نہ نبی ہیں۔ اور نہ ہی شہید ہیں۔ لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کو خدا سے محبت ہے۔ اور جن کو خدا پیا

کرتا ہے۔ وہ اچھی باتیں بتاتے ہیں۔ اور بُری باتوں سے روکتے ہیں۔" الخ

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا "لوگو خدا سے محبت کرو۔ کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ اور خدا کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو۔ اور میری محبت کے سبب میرے اہل بیتؑ سے محبت کرو۔

"جو کچھ اسلام کی تعلیم تھی۔ وہ پیغمبر اسلام کی عملی زندگی تھی"

عام مسلمانوں میں پیغمبر خدا کا لقب "حبیب خدا" ہے۔ دیکھو کہ حبیب و محبوب میں خلت اور محبت کے کیا کیا ناز و نیاز ہیں۔ آپ خشوع و خضوع کی دعاؤں میں اور خلوت کی ملاقاتوں میں کیا ڈھونڈھتے اور کیا مانگتے تھے۔ کیا چاہتے تھے اور کیا سوال کرتے تھے۔ امام احمدؒ اور بزارؒ نے مسندوں میں ترمذی نے جامع میں۔ حاکمؒ نے مستدرک میں۔ اور طبرانیؒ نے معجم میں متعدد صحابیوں سے نقل کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم اپنی دعاؤں میں محبت الٰہی کی دعا مانگا کرتے تھے۔

انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے۔ لیکن محبوب خدا کی نگاہ میں یہ چیزیں ہیچ تھیں۔ دعا فرماتے تھے کہ "خداوندا میں تیری محبت مانگتا ہوں۔ اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اس کی محبت اور اس کام کی محبت جو تیری محبت سے قریب کردے۔ الٰہی تو اپنی محبت کو جان سے۔ اہل و عیال سے۔ اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا"۔

عرب میں ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گراں اور قیمتی ہے لیکن حضور کی پیاس اس مادی پانی کی خنکی سے نہیں سیر ہوتی تھی۔ وہ صرف محبت الٰہی کا زلال خالص تھا۔ جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا۔ عام انسان روٹی سے جیتے ہیں۔ مگر ایک عاشق الٰہی (مسیح) کا قول ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ پھر وہ کون روٹی ہے۔ جس کو کھا کر انسان پھر کبھی بھوکا نہیں ہوتا۔ حضور دعا فرماتے ہیں: "خداوندا تو مجھے اپنی محبت جو تیری محبت کی راہ میں نافع ہے۔ مجھے روزی کر"۔

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے۔ مگر جانتے ہو۔ کہ اس راہ کی آخری منزل کیا ہے؟

صحیحین میں ہے۔ یہ کہ خدا اور رسول کی محبت کے آگے تمام ماسوا کی محبتیں ہیچ ہو جائیں۔

احادیث سے ہمارا یہ دعوےٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ لڑائی کا میدان ہے دشمنوں میں بھاگ دوڑ بھی ہے۔ جس کو جہاں امن کا گوشہ نظر آتا ہے۔ اپنی جان بچا رہا ہے۔ بھائی بھائی سے ماں بچہ سے بچہ ماں سے الگ ہے۔ اسی حال میں ایک عورت آتی ہے۔ اس میدان حشر میں اس کا بچہ گم ہو گیا ہے۔ محبت کی دیوانگی کا یہ حال ہے۔ کہ جو بچہ بھی اس کو سامنے نظر آتا ہے۔ بچہ کے جوش محبت سے اس کو چھاتی سے لگا لیتی ہے۔ اور اس کو دودھ پلا دیتی ہے رحمۃ للعالمین

کی نظر پڑتی ہے۔ صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو اپنے ہاتھ سے دہکتی آگ میں ڈال دے؟ لوگوں نے عرض کی۔ کہ ہرگز نہیں۔ فرمایا۔ تو جتنی محبت ماں کو اپنے بچہ سے ہے۔ خدا کو اپنے بندوں سے اس سے بہت زیادہ محبت ہے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ واپس تشریف لا رہے ہیں۔ ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لے کر سامنے آتی ہے۔ اور عرض کرتی ہے۔ یا رسول اللہ۔ ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے۔ کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے۔ فرمایا۔ ہاں بے شک اس سے زیادہ ہے۔ تو کوئی ماں اپنی اولاد کو خود آگ میں ڈالنا گوارا نہ کرے گی۔ یہ سنکر فرطِ اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ خدا اس بندہ کو عذاب دیتا ہے۔ جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے۔

آپ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ ایک صحابی ایک چادر میں ایک پرند کو مع اس کے بچوں کے باندھ کر لاتے ہیں۔ اور واقعہ عرض کرتے ہیں۔ کہ یا رسول اللہ میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا۔ ماں نے یہ دیکھا۔ تو میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے ذرا سا کپڑا کھول دیا۔ تو وہ فوراً آ کر میرے ہاتھ پر بچوں پہ گر پڑی۔ ارشاد ہوا۔ کہ بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔

جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے۔ خدا کو اپنے بچوں کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔

رباب خمخانۂ عشق کا آخری ہوشمند سرشار۔ ریاض محبت کی آخری بہار جاودان کا آخری نغمہ خوان عندلیب نظارۂ جمالِ حقیقت کا پہلا مشتاق مستور ازل کے چہرۂ زیر نقاب کا پہلا بند کشا زندگی کے آخری گھنٹوں میں ہے۔ مرض کی شدت ہے۔ بدن بخار سے جل رہا ہے۔ اٹھ کر چل نہیں سکتا۔ لیکن یک بیک وہ اپنے میں ایک اعلان خاص کی قوت پاتا ہے۔ مسجد نبوی میں جاں نثار حاضر ہوتے ہیں۔ سب کی نظریں حضور کی طرف لگی ہیں۔ نبوت کا آخری پیغام سننے کی آرزو ہے۔ دفعتہً لب مبارک وا ہوتے ہیں۔ تو یہ آواز آتی ہے "لوگو میں خدا کے سامنے اس بات کی برائت کرتا ہوں۔ کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے۔ میرا پیارا صرف ایک ہی ہے۔ وہی جس نے ابراہیمؑ کو اپنا پیارا بنایا۔ یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا۔ عین حالت نزع میں زبان مبارک پہ یہ کلمہ تھا۔ "خداوندا! بہترین رفیق" (صحیح بخاری وفات)

درسِ محبّت

محبت ایک جزو ہے۔ روح کا۔ روح کی طرح محبت بھی ایک شعلۂ الوہیت ہے۔ روح کی طرح محبت بھی غیر فانی ہے۔ اور ناقابل تجزیہ (تقسیم کرنا۔ جزو جزو کرنا) وہ ایک نقطہ آتشین ہے۔ جو ہمارے اندر پایا جاتا ہے۔ وہ غیر محدود ہے۔ اور غیر فانی۔ نہ اسے کوئی چیز محدود کر سکتی ہے۔ اور نہ وہ کسی چیز سے بجھ سکتی ہے۔ ہم اسے اپنے مغز استخواں کے اندر جلتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ اور آسمان کے عمق میں اس کی شعاعوں کو منوّر ÷

محبت میں ایک نوع کی طفولیت ہے۔ اور دوسرے جذبات میں چھوٹا پن۔ پھر شرم ہے۔ ان جذبات پر جو انسان کو چھوٹا بنا دیں۔ اور عزت ہے اس جذبہ کے لئے جو اسے بچہ بنا دیں، تم اگر پتھر ہو۔ تو سنگِ مقناطیس بننے کی کوشش کرو۔ تم اگر درخت ہو۔ تو لچکدار ہو۔ تم اگر انسان ہو۔ تو محبت کرنا سیکھو۔ تم اگر اذیت میں ہو۔ اس لئے کہ تم محبت کرتے ہو۔ تو اور زیادہ محبت کرو۔ کیونکہ محبت میں مرجانا محبت کے ساتھ زندہ رہنا ہے محبت کے لئے کوئی چیز کافی نہیں۔ ہم کو مسرت (خوشی) حاصل ہوتی ہے۔

توہم فردوس کی خواہش کرتے ہیں۔ ہم کو فردوس حاصل ہوتی ہے۔ توہم کونین کی آرزو کرنے لگتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو محبت کرتے ہو۔ سب کچھ محبت ہی میں ہے۔ اس کے پالنے میں ذرا فراست سے کام لو۔

Love is the only way of getting to Him.
Learn this secret o, companions of mine.

ترجمہ: بارگاہ ایزدی میں رسائی صرف محبت ہی سے ہو سکتی ہے۔
اے میرے دوستو! اس محبت کا سبق دل ہی دل میں پڑھا کرو۔

جنہوں کا عشق صادق ہے وہ کب فریاد کرتے ہیں۔
لبوں پہ مہر خامشی؛ دلوں میں یاد کرتے ہیں۔

حمد

تو ذات ہے۔ پر صفات کی صورت میں آیا۔ تعینات کے لباس میں اپنی صنعت کا نمونہ دکھا کر تو نے اپنی زبان سے ہو الاول، ہو الآخر، ہو الظاہر ہو الباطن کا راز سُنایا۔

تو قید اطلاق سے بھی آزاد ہے۔ مگر تو نے عالم ایجاد میں قیود کے ساتھ اپنا جلوہ دکھایا۔ تو قدیم ہے۔ پر حدوث کا خلعت پہن کر حادث کے رنگ میں نظر آیا۔ اور تو نے فی انفسکم کا راز بتایا۔

تو حُسن ہے اور حُسن میں تاب مستوری مفقود تھی۔ اپنی حُسن نمائی کے لئے جانفروشوں کو پیدا کر کے تو نے کسی کو جمال کسی کو جلال سے آشنا کیا۔

تو عشق ہے پر عاشق کی طرز پر آیا۔ اور تو نے اپنے معشوق کو لولاک لما کے خطاب سے مخاطب کیا۔ تو وادیٔ ایمن میں آگ ہو کر آیا۔ اور تو نے درخت سے موسیٰؑ کو اِنّی انا اللہ کا پتہ دیا۔ تو دس ہزار قدوسیوں کے لشکر کے ساتھ آیا۔ اور فاران پر چمکا۔

توہے۔ تو ہی تو ہے۔ نہ میں نہ یہ عالم۔ تو ہی تو ہے۔ ہر رنگ میں تیرا ظہور ہوا۔ ہر صورت میں تیری صورت مستور ہوئی۔ تو باغ میں سبزہ بن کر لہکا۔ تو پھولوں میں

بُو بن کر مہکا۔ تو چاند میں نور ہو کر چمکا۔ تو الفاظ میں معنی ہو کر چھُپا۔ تو معشوق کے جلوہ میں نظر آیا۔ اور عاشق کی صورت میں نمودار رہا۔

تو میرے دل میں محبت بن کر آ۔ تو میری آنکھ میں نور ہو کر سما۔ تو میرے کان کی سماعت بن۔ تو میرے ہاتھ میں قوت گرفت ہو۔ تو میری زبان سے گویا ہو۔ تو میری رفتار ہو۔ تو ذرہ میں اپنی قوت کا کرشمہ دکھا۔ تو قطرہ کو سمندر کی شکل میں جلوہ نما کر۔ تو نیست کو ہست اور ہست کو بقا کا لباس پہنا۔

نعت

پھولوں کی نازک پنکھڑیاں باغ میں آنے والوں کے دماغ کو معطر کر رہی ہیں۔ خوشبو سے سارا گلشن مہک رہا ہے۔ ہوا کا ہلکا سا جھونکا آتا ہے۔ اور یہ ڈالیاں وجد کر کے جھومتی ہیں۔ اور کہتی ہیں ع

صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

رات کی سیاہی دور ہوتی چلی ہے۔ مشرق کا شہسوار روشنی میں فوجیں ساتھ لے کر آنے والا ہے۔ بے خبر اشخاص میٹھی میٹھی نیند کے مزے لے رہے ہیں۔ ذکر کرنے والے مرغانِ خوش الحان یہ کہہ کہہ کر جگا رہے ہیں ع

صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

گرمی کا موسم ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم چل رہی ہے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے ہو کا عالم ہے۔ چاروں طرف سناٹا ہے۔ صحرا سے، شہر سے، زمین سے، آسمان سے، غرض ہر طرف سے کچھ صدا آ رہی ہے۔ کیا دلکش صدا ہے۔ ذرا سُننا: ع

صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

بلبل کے چہچہانے سے، غنچوں کے مسکرانے سے، سرو کی آزادی سے، قمری کی گرفتاری سے، گیاہ کی روئیدگی سے، گلاب کی بوئیدگی سے، غرض یہ کہ عالم کی ہر بات سے دل شیدا یہ آواز پیدا کرکے گوش رغبت سے سن رہا ہے۔ ع

صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

آرام کی نیند کو برباد کرنے والے، شوق عبادت میں چین کھونے والے، ریاض محبت کا مزا اٹھانے والے فرمان وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ کو ماننے والے حضرات کے لب جنبش کر رہے ہیں۔ ذرا گوش ہوش متوجہ ہو۔ اور سُن۔ انجان بے خبر ہیں۔ کہ کیا کہہ رہے ہیں سمجھنے والے کہہ رہے ہیں کہ یہ کہتے ہیں۔

ع صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

خدا کی نعمتوں کا شکر ہر دم فرض ہے ہم پر | کہ بے مانگے عطا جس نے کئے ہم کو عجب جوہر
بنایا آدمی، دی عقل بخشا علم کا زیور | ہدایت کے لئے بھیجا ہمارے واسطے رہبر

کہ جس نے سارے عالم کو خدا والا بنا ڈالا
محمدؐ کی صدا نے اک جہاں بھر کو ہلا ڈالا۔

خداوند تعالیٰ کا نام تصورِ اسلام کے نزدیک

اِسلام نے خدا کے لئے جو علم استعمال کیا ہے ۔ وہ اللہ ہے ۔ الف ، لام اور ہا سے لفظ اللہ مرکب ہے ۔

الف اور لام آلات تعریف سے ہیں ۔ اور ہا معارف سے ہے ۔ ان سب کا مجموعہ اللہ کا نام ہے ۔ واجب الوجود عز شانہٗ کا اس اسم اعظم کا مسمّی اپنے کمال عظمتِ علوِّ درجہ اور رِفعتِ منزلت کی وجہ سے معرّف نہیں ہو سکتا ۔ وہ ادراکِ عرفان اور علم سے بالا ہے ۔ یہ اسم تمام دیگر اسمائے الٰہی سے جدا ہے ۔ بعض نے لکھا ہے ۔ کہ ہا ضمیر غائب ہے ۔ اور الف لام تعریف کا ہے ۔ تعریف کے لئے ضمیر کافی نہ تھی ۔ تو اضافہ الف ۔ لام تعریف مزید کے لئے ہوا ۔ اور مبالغہ کے لئے لام پر تشدید بڑھائی گئی ۔ اس پر بھی جب معرفت نہ ہوئی ۔ تو تعریف علمی کی طرف توجہ کی گئی ۔ اور معلوم ہوا ۔ کہ سب ماسوا وہ ہے ۔ پاک ہے وہ جس نے اپنی طرف خلق کے لئے عجز معرفت کے سوا کوئی راہ نہیں کھولی ۔ یہ ولاہ سے مشتق ہے ۔ جس کے معنی ہیں غم ۔ محبت اور وہ تعلق خاطر جو ماں کو اپنی اولاد سے ہے ۔ لعب ۔

اس کے معنی :-

مُطلق عشق

کے ہوگئے۔ جیسے والہ بشیدا۔ اس لیے اللہ کے معنی ہوئے پیارا۔ محبوب
حضرت مولنا فضل الرحمن جو قرآن مجید کی آیتوں کا ہندی میں ترجمہ کرنے کے
شایق تھے۔ اللہ کا ترجمہ من موہن کیا کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں خدا کی سب سے
پہلی صفت رحمان و رحیم ہے۔ اس کے معنی ہیں رحم والا۔ مہربان۔ اس کے
علاوہ قرآن مجید اور احادیث سے ۹۹ نام اللہ تعالےٰ کے ثابت ہیں۔ ان
میں غالب تعداد ان اسماء کی ہے۔ جن سے محبت نرمی۔ دوستی اور مہربانی
کا مفہوم نکلتا ہے۔ مثلاً الودود۔ الولی۔ الرؤف۔ حنان۔ غفار۔ سلامٌ
العدل۔ العفو۔ الوھاب۔ الحلیم۔ التواب۔ البر۔ المقسط۔ ان میں سے
ہر لفظ پر غور کرو۔ اور دیکھو۔ کہ اسلام کے نزدیک خدا کا غالب تصورِ محبت
اور نرمی ہے۔ کتب سابقہ اس شے سے یکسر خالی ہیں۔ ان میں خدا کے تصور
میں جو مادی تعلقات کو استعارے میں بیان کیا گیا۔ تو آئندہ نسلیں ٹھوکر
کھا گئیں۔ اور شرک و بت پرستی میں مبتلا ہوگئیں۔ اسلام اس قسم کی
لغزشوں سے پاک ہے۔ اور دوسروں کو پاک رکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ
اسلام نے ان استعارات کے استعمال میں بھی احتیاط [illegible]
کے مہر و کرم کا تصور [illegible]

روحانی عشق محبت

کے دلآویز نغموں سے قرآن واحادیث معمور ہیں۔ بایں ہمہ وہ انسان کو بیٹا اور

خدا کو باپ نہیں کہتا۔ پہلی کتابیں اَبّ کا لفظ استعمال کرتی ہیں۔ اسلام رب

کہتا ہے۔ اس لئے اسلام کا مفہوم زیادہ پائیدار اور جامع اور وسیع ہے۔

اب ان حدیثوں اور آیتوں کو لو جن سے روشن ہوتا ہے۔ کہ:۔

اسلام کا سینہ اس ازلی محبت و ابدی عشق سے معمور ہے

ایمان کی علامت حب الٰہی قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا والذین آمنوا اشد حبا

للہ ساتھ ہی محبت کا ایک معیار قرار دیا:۔

اسلام خالی خولی محبت کا طالب نہیں

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

الْمُحْسِنِيْنَ۔ وغیرہا۔ پھر اسلام یہ بھی کہتا ہے۔ کہ اللہ سے محبت کرنیوالوں کو

دائمی مسرت کا مژدہ دیا جاویگا۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ تنوط

مغفرت کی بشارت دی گئی۔

اسلام کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے۔ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ۔ اللہ کی طرف سے اس کائنات کا ایک ذرہ بھی محروم نہیں۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عفوِ عالم کی بشارت بھی دے رکھی ہے۔ حضرت ابو ایوب سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ اگر تم گناہ نہ کرتے۔ تو خدا اور مخلوق پیدا کرتا۔ جو گناہ کرتی۔ وہ اس کو بخشتا۔ اور خدا نے محبت کے سو حصے کیے۔ ایک حصہ کل کائنات کو دیا۔ اور ۹۹ حصے خود لیے۔ بتاؤ اس سے بڑھ کر محبت کی وسعت کیا شان ہے۔

پھر رسول صلعم کو بھی رحمۃ اللعالمین کا خطاب عطا کیا۔ خود رسول صلعم دعاؤں میں محبت الٰہی کو طلب کیا کرتے تھے۔ اور دنیا میں سے کچھ نہ مانگتے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ۔

۳- ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے

مگر جانتے ہو۔ کہ اس راہ کی آخری منزل کیا ہے۔ مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا (صحیحین) رسول اللہ صلعم نے اللہ کی رحمت اور محبت کا بیان اس شرح و بسط پر کیا ہے۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ [illegible] کی تعلیم سے محروم [illegible] معلوم ہو گیا کہ اسلام نے خدا کا تصور کیا رکھا ہے۔ محبت اور رحمت کو کیا درجہ دیا ہے۔ خوف و امید

رجا د یم ۔ اور خشیت و رحمت کو کس طرح پیوند کیا ہے ۔ اس لیے اے ربانی عشق و محبت کے طلب گارو اگر واقعی تم فانی عشق کے بجائے عشق باقی کے متمنی ہو ۔ تو آؤ کہ یہ دولت صرف اسلام کے آستانہ پر بٹتی ہے ۔ اور اسی کے خزانہ سے ملیگی ۔

قرآن حکیم کی تعلیمات کا اصلی منشا یہ ہے

کہ مسلمانوں کو ایک ایسی پُرامن مذہب پر چلا وے ۔ اور شائستہ قوم بنا دیا جاوے کہ جن کی سیرۃ اور کیرکٹر کو تمام دنیا قابل تقلید سمجھے ۔ ہر ایک مسلمان میں اسقدر احساس پیدا ہو جائے ۔ کہ وہ اپنے آپ کو ایک ذمہ وار مسئول انسان خیال کرے ۔ اور یہ یقین کرے ۔ کہ میری زندگی دوسروں کے لئے نمونہ ہے ۔ اس لئے مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونی چاہیئے ۔ جو شرافت اسلام کے شایاں نہ ہو ۔

عبرت آموز

دغا اور فریب سے تعمیر کی ہوئی عمارت کبھی پائیدار نہیں ہوئی ۔ جعل آخر جعل ہی ہے ۔ خواہ اس کے ذریعہ سے صداقت ہدا کی تبلیغ کیوں نہ ہو :-

وجودِ باریؑ پر استدلال

انسان کائنات کی ہر چیز کو مرتب و منظم دیکھتا ہے۔ کیا یہ ترتیب و تنظیم آپ سے آپ پیدا ہو گئی ہے۔ نظامِ عالم کا باقاعدہ مرتب اور موزون کارخانہ "اللہ" نے قائم کیا۔ اور اللہ نے عالمِ اسباب کی ہر ہستی کو دوسری ہستی سے منظم و منضبط کیا۔ ایک ہستی دوسری سے کتنی ہی متغائر کیوں نہ ہو۔ پھر بھی ان میں تنظیم ہے۔ انسان اپنی حیات کے ہر فعل و عمل کیلئے دوسرے سہاروں کا محتاج ہے۔ موجودات کی زندگی کو آفتاب کا سہارا ہے۔ مجموعی رنگ میں ان سب عارضی سہاروں کو چھوڑ کر اس مجموعہ موجودات اور خلاصہ کائنات کا حقیقی سہارا کون ہے؟ انسان اس فطرت پر پہنچکر حق جوئی کی پاک راہ سے گذرتا ہے۔ کائنات و موجودات میں حقیقی سہارا صرف ایک "اللہ" ہے۔ اور انسان کا مقصدِ حیات اللہ کو جاننا اور پہچاننا ہے۔

دنیا میں کوئی ایسا دہریہ اور ناستک نہیں ہے۔ جو خدا کی ہستی کا منکر ہو۔ مادہ پرست بھی اپنے پیدا کرنیوالے اللہ کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا۔ دنیا کا ذرہ

ذرّہ وجود باری تعالیٰ کا ثبوت دے رہا ہے۔ سائنس کے عالموں کا سرغنہ "مسٹر

آلیولاج نے کہا ہے:۔

"جب ہم مور کی دُم کے چاند یا زیبرے کی پشت کے قابلِ نماد اعوں پر غور کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس امر کو مدنظر رکھتے ہیں۔ کہ یہ گوناگوں رنگ اور ترتیب ساخت ایک عام نمونے کو تکمیل پر پہنچانے کا کام دیتی ہے۔ تو اس کی تشریح بہت مشکل اور پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ اجزا آپ سے آپ مل کر کیوں کر ایک خاص کیفیت یا دلکش مرقع پیدا کر لیتے ہیں؟ یہ بال و پر کے ننھے ننھے ذرے کس طرح ایک دوسرے سے اپنے آپ باقاعدگی اور ترتیب سے مخلوط ہو کر ایک شاندار اور دلفریب منظر پیدا کر سکتے ہیں؟ جس طرح فوٹو کا ٹل اور دریا میں کا پونسیٹ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آپ سے آپ فراہم ہو کر نہیں بنتے۔ اسی طرح مور کی دُم کی دلکش قوس و قزح اور زیبرے کی کھال کے منقش رنگ بھی اپنے آپ پیدا نہیں ہوتے"!

ان کو اور دنیا کی سب عجیب و غریب مخلوق کو پیدا کرنے والی غائی طاقت "اللہ" ہے۔ اللہ نے دنیا کے ہر ذرے اور ہر ہستی کو اپنا وجود قائم رکھنے کے لئے دنیا کے دوسرے ذرّوں اور ہستیوں کو محتاج بنا دیا ہے۔ تاکہ انسان اپنے خالق سے کسی لحظہ میں بھی غافل نہ ہو۔ کیا آپ سمجھتے ہیں۔ کہ "اللہ" کے بغیر دنیا کا یہ کارخانہ چل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مادہ پرستوں کے لارڈ کیلون نے لکھا ہے:۔

میں اس کو نہیں مانتا۔ کہ سائنس ایک خالق کے وجود کے بارے میں ہاں یا نہ کچھ بھی نہیں کہتی۔ بلکہ سائنس صریحاً تسلیم کرتی ہے۔ کہ ایک پیدا کرنے والی غائبی طاقت ہے۔ اجسے مذہبی اصطلاح میں اللہ کہتے ہیں۔) اور سائنس نے یہ تسلیم کرنے پر بھی مجبور کیا ہے۔ کہ ہاں ایک طاقت ہے۔ جو سب کی خالق ہے رہنما ہے۔ اور ناظم ہے۔ اور یہ صرف اعتقاداً ہی تسلیم نہیں کرایا ہے۔ بلکہ ایسا کلیہ پیش کیا ہے۔ جس پر ایمان لائے بغیر دوسرا کوئی چارہ کار نہیں۔ زمانہ حال کے عالمان علم حیات پھر ایک دفعہ محسوس کرنے جاتے ہیں۔ کہ کوئی چیز "نہ معلوم" (بمعنی غائب)، ہے جس کو وہ لوگ "زندگی بخشنے" والی طاقت (حیات بخشنے والا اللہ) کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ عالمان سائنس شاید یہ نہیں جانتے۔ کہ اگر وہ اس غائبی طاقت کو نامعلوم کہیں گے۔ تو سائنس کے مذہب کی رُو سے مذبذب و مشکوک کافر و مشرک ٹھہرائے جائیں گے۔ یہ لوگ خدا کو خدا کے کارخانہ قدرت سے جانتے ہیں۔ مگر سچ تو یہ ہے۔ کہ بالآخر یہ لوگ ایک ایسی ناظم عالم طاقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو مادی نہیں۔ بلکہ وہ غائبانہ طاقت ہے۔ نور ہے۔ پوشیدہ ہے اور حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ خیال میں نہیں آتا۔ کہ بہت سے کیڑے مکوڑے بہت سے پودے۔ نباتات اور بہت سے جانور محض بے شمار ذروں سے عالم وجود میں آگئے ہوں۔ اپنی حسب منشاء ایک ساتھ اوپر سے نیچے آگرے ہوں۔ لاکھوں کروڑوں اور سنکھا سنکھ قرنوں میں بھی ایسا خوبصورت عالم اس طرح نہیں بن سکتا

سائنس سے اِن لوگوں کو معلوم کہ ایک "روحانی طاقت "(اللہ) دنیا میں ہمارے گردو پیش محیط ہے۔

لارڈ کلون نے ایک ماہر الکیمیا سے دیہات میں سوال کیا۔ کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ گھاس اور یہ پھول محض کیمیاوی تحلیل اور قوتِ کیمیا سے زمین میں سے خود بخود نکل آئے ہیں؟

اس نے جواب دیا۔ ہرگز نہیں، جس طرح میں جانتا ہوں۔ کہ علم نباتات کی کتابیں آپ ہی آپ محض قوتِ کیمیاوی سے وجود میں نہیں آگئی ہیں۔

اِسی طرح کائنات بھی خود بخود پیدا نہیں ہوتی :۔

کلماتِ رسولؐ

ا۔ اسلام میں وہی لوگ داخل ہیں۔ جو نرمی سے بات کرتے ہیں۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مصیبت میں بیدل ہو کر گھبراتے نہیں آنے والی مصیبت سے مضطرب و پریشان نہیں ہوتے! اور سخاوت کرتے ہیں۔ اور تمام ایمان والوں میں افضل وہ ہیں۔ جنکی عادتیں نیک ہوں۔

۲۔ زناکار حرام کرنے میں، اور چور چوری کرنے میں، اور شرابی شراب پینے میں، اور قاتل قتل کرنے میں ایمان والا نہیں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا مراقبہ

قرآن شریف میں ہے۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ یعنی اللہ تمہارے اعمال پر خبردار ہے۔ اس جملہ سے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک قسم کا مراقبہ سکھایا ہے۔ کہ اگر اس کو مستحضر رکھیں۔ تو عمل میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔ یعنی ہر وقت یہ خیال رکھیں۔ کہ اللہ تعالیٰ میرے ظاہر اور باطن کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی مزاولت سے چند ہی روز میں ایک حالت پیدا ہو گی۔ اور مراقبہ کرنے والا یہ سمجھے گا۔ کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ اور جب یہ خیال پختہ ہو جاوے گا۔ کہ ہمارے اس کام کی حاکم کو بھی خبر (اطلاع) ہے۔ تو اس میں کوتاہی نہ ہو گی۔ اور یہ نہایت سہل مراقبہ ہے۔ **اس میں کسی شیخ اور کسی خلوت وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں ہے** ہر شخص اس سے منتفع ہو سکتا ہے۔

یہ بات تو بہت مشکل ہے۔ کہ تم خداوند کریم کو دیکھو۔ لیکن ایسا بھی تو نہیں۔ کہ تم یقین رکھو کہ آسمان کی بلندیوں سے

ایک آنکھ تمہیں دیکھ رہی ہے۔

اور ایک ہستی ہے۔ جو تمہارے نیک و بد پر نظر رکھتی ہے۔ تمہارا ایمان ہے

کہ خداوند عالم حاضر و ناظر ہے۔ لیکن ہم عملی طور پر ایسا نہیں سمجھتے۔ خداوند کو حاضر و ناظر سمجھنے سے ضمیر کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اور کسی گناہ کا سرزد ہونا غیر ممکن ہے۔ اگر پولیس کے چند آدمی کسی شخص کے ہمراہ ہوں۔ اور رات دن میں کسی وقت اسے تنہا نہ چھوڑیں۔ تو ظاہر ہے۔ کہ وہ کبھی چوری نہیں کر سکتا پس اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال قائم رہے۔ کہ **خداوند حاضر و ناظر** ہے۔ تو ان کو برائی کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

اس شعر کا ورد ہر وقت زبان پر جاری رکھیں۔

؎ وَ وَقْتِیْ کُلُّہٗ حُلْوٌ لَذِیْذٌ
اِذَا مَا کَانَ مَوْلَایَ یَرَانِیْ

میرے تمام اوقات شیریں اور لذیذ ہیں۔ جبکہ میرا مولا مجھے دیکھ رہا ہے

کلماتِ رسولؐ

افضل ایمان کا مرتبہ آدمی کو اس وقت ملتا ہے جب خدا واسطے محبت اور خدا واسطے عداوت ہے۔ اور ہر دم اللہ کا نام زبان پر ہو۔ اور یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب اپنا فایدہ دوسروں کے فایدہ میں اور اپنا نقصان دوسروں کے نقصان میں سمجھ کر عمل کرے۔

انسان کیا ہے؟

انسان مشتق ہے۔ اُنس سے جس میں خالق مخلوق کی محبت نہیں، وہ حقیقی معنوں میں انسان نہیں ہے۔ بلکہ صورت انسان و سیرت حیوان ہے۔

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر شئی نہ تھا۔ (الدہر ع ۱ پ ۲۹)

ایک وقت تھا۔ کہ حضرت انسان کا صفحہ ہستی میں نام ونشان نہ تھا۔ تعلقات علایق دنیا سے بیخبر ایسے گمنام دبے نشان تھے۔ کہ فرشتوں کو بھی ان کے وجود اور ان کے مراتب وکارناموں کا کچھ علم نہ تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے۔ کہ انسان کیا ہے؟

اسی بنا پر فرشتوں نے کہہ دیا تھا۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (بقرہ ع ۴ پ ۱)۔ کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب مقرر کرتا ہے۔ جو اس میں فساد پھیلائے۔ اور خونریزیاں کریگا۔

ایک عرصہ تک حضرت انسان اسی گمنامی کی حالت میں رہے۔ اور ان کو اپنی ہست وبود کا کچھ غرور وگھمنڈ نہ تھا۔

پس خالق کون ومکان نے اس خاکی پتلے کو خود اپنے ید قدرت سے بنایا۔ اور

روح ڈال دی۔ اور پھر ایک مقدس و برگزیدہ عبادت گذار جماعت کو اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی ہدایت کی۔

اس فرمان سے سرتابی کرنے والے پر خدائے قہار و جبار کا عتاب نازل ہوا نہایت سختی سے حکم عدولی کا سبب دریافت کیا گیا۔

یَآاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا (اے ابلیس جس چیز کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ بنایا ہے اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کونسی چیز کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ○ مانع ہوئی۔ کیا تو نے (از راہ تکبر) یہ کیا ہے ۔یا تو درا صل بڑے لوگوں سے ہے۔ (ص ع ۵ پ۲۳)

زاں بعد حضرت انسان کے شایان شان ان کو کھانے پینے کیلئے طرح طرح کے مطاعم لذیذہ رہنے سہنے کیلئے عالی شان محل تفریح و سیر کرنے کیلئے پُر فضا سرسبز باغات و نہریں عطا ہوئیں۔ مگر پھر اس ملعون اور بارگاہ ایزدی کے مقہور نے حسد کے مارے یہ تمام انعامات و اکرامات اور آسایش و آرام کے سامان حضرت انسان سے چھنوا دیئے۔ اور حضرت انسان سے ایک نہایت گہری یہ چال چلی :۔

وَقَالَ یَآدَمُ هَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَةِ اور اس شیطان نے کہا کہ اے آدم! کہو تو میں تم الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی ○ (طٰہٰ ع، پ) کو ہمیشگی کا درخت بتا دوں؟ اور ایسی سلطنت جو کبھی پرانی نہ ہو۔

حضرت انسان اس گہری سازش اور چال کو نہ سمجھے۔ اپنے دین و ایمان کے دشمن

کے پھسلاوے میں آکر خالق و مالک کی نظروں سے گر گئے اور اب ان کو جنت کے باغات

سے نکل کر :-

دارالمحن

دنیا میں رہنا پڑا اور اس طرح بنی نوع انسان کی زندگی کا دنیاوی دور شروع ہوا۔ اور اللہ

تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور بی بی حوا کے ذریعہ سے حضرت انسان کی دنیاوی ہستی کا سامان

مہیا کیا۔ قطرۂ ناپاک سے ان کی بنا ڈالی گئی۔

کچھ عرصہ شکم مادر میں رہ کر زندگی کا چولا زیب تن کیا اور پھر روتے پیٹتے چیختے چلاتے

شور مچاتے صفحۂ ہستی پر آموجود ہوئے۔

بس حقیقت انسانی یہ ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ سے بنایا۔ اور پھر ہم ہی نے اسے ایک محفوظ

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم ہی نے

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ نطفہ کو لوتھڑا بنایا۔ اور پھر ہم ہی نے

اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۗ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ لوتھڑے کا مضغہ بنایا۔ پھر ہم ہی

الْخٰلِقِيْنَ ۝ نے مضغے کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہم ہی نے

ہڈیوں پر گوشت مڑھا۔ پھر ہم ہی نے گویا بالکل اس کو دوسری مخلوق بنا دیا۔ پس خدا بڑا ہی

بابرکت ہے۔ جو سب بنانے والوں میں بہتر بنانے والا ہے۔

دنیا کی ہوا لگتے ہی حضرت انسان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور خدا نے جو عطیات مرحمت

فرمائے تھے مثلاً دیکھنے کیلئے آنکھیں، سننے کیلئے کان، کھانے پینے کیلئے منہ، بولنے

کیلئے زبان، سونگھنے کیلئے ناک، چلنے پھرنے کو پاؤں وغیرہ وغیرہ۔ ان سے ہر طرح

کے فوائد و منافع حاصل کرنے لگے۔ تو ان انعاماتِ الٰہیہ کو اپنے اندر پاکر حضرت انسان

جامہ میں پھولے نہ سمائے۔ اپنے محسن و خالق کی شکرگذاری کی بجائے انہیں یہ گھمنڈ

ہوا کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں۔ اور یہ تمام انعامات اور یہ ہر قسم کی قوتیں ہم نے خود

اپنے زورِ بازو اور قوتِ علم و عمل سے اپنے اندر پیدا کی ہیں۔

مشاہدہ شاہد ہے کہ ہم بغایت نحیف وضعیف عاجز و ناتواں پیدا ہوئے تھے

اگر ہم اصولِ صحت کی پابندی نہ کرتے۔ حفاظتِ جسم کی خاطر ورزش نہ کرتے غذا

کے کھانے میں بد اعتدالی برتتے۔ تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔

باقی آنکھ، ناک، کان اور دیگر اعضاء نیز انسانی طریقے پر ہمارا پیدا ہونا ایک فطرتی

و جبلّی بات ہے۔ ابتدا آفرینش عالم سے یونہی ہوتا آیا ہے۔ اور ہمیشہ یہ سلسلہ یونہی جاری

رہے گا (نعوذ باللہ) ان باتوں میں خدا کو دخل دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔؟

اس زعم فاسد کی بنا پر

عقیدۂ باطل

رکھنے والے حضرات انسان خوب دل کھول کر قانون الٰہی کی دفعات کی خلاف ورزی کی۔ اور اپنے نفس کو ہلاکت میں مبتلا کیا۔

چنانچہ وہ دل و دماغ جو قانون قدرت کی منشاء کے مطابق ذکر و شغل اور معارف الٰہیہ سے معمور رہنا چاہیئے تھا۔ وہ ہوا و ہوس اور خیالات فاسدہ کا مخزن بنا ہوا ہے۔ اور وہ آنکھیں جو قدرت الٰہی کی صناعیوں اور خدا کی حکمتوں نیز فرمان الٰہی کو بنظر تعمق دیکھنے برے بھلے میں تمیز کرنے کے لیئے عطا کی گئی تھیں۔ وہ طرح طرح کے ناچ و رنگ کھیل و کود اور تماشوں کے دیکھنے اور محرمات شرعیہ کے نظارہ میں مصروف ہیں۔

وہ زبان جو حق کہنے اور ما فی الضمیر کو صاف ادا کرنے کیلیئے اور دردمندوں کی تسلی و تشفی کیلیئے عطا کی گئی تھی۔ وہ آج بے جا خوشامد اور اپنے عزیزوں اور بھائیوں کی دل آزاری کے لئے تیر و پیکان سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ جَرَاحَاتُ اللِّسَانِ لَهَا الْتِيَامٌ۔ وہ ہاتھ جو بیواؤں بیکسوں کی مدد کر سکتے تھے مصیبت زدوں پر ستم ڈھانے کا آلہ بنے ہوئے ہیں۔ ع

زور ت او پیش میرود بابا   با خداوند غیب داں زود

الغرض

حضرت انسان کی اس قسم کی زیادتیاں تو اپنے نفس اور اپنے بھائیوں کے ساتھ ہوتی رہتی ہیں۔ مگر بعض افراد انسانی جیسا کہ مذکور بھی ہو چکا ہے۔ اپنے خالق اکبر کی جناب میں بھی

گستاخی کرنے سے نہیں چوکتے۔ (نعوذ باللہ) کبھی تو خدا کو معطل قرار دیتے ہیں۔ کبھی خدا کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ بعضوں نے تو خود کو معبود (باطل) کہلایا۔ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ۔ (اور فرعون نے کہدیا کہ میں تمہارا بڑا پروردگار) ہوں۔

بہت سے انسانوں نے مختلف کرامات اور کرشموں کو اپنی خدائی کا سبب ٹھہرایا۔ اور اپنی معبودیت کا اظہار کیا۔ معبود برحق کے مقابلہ میں جنت و دوزخ بنوائی۔ خود (قطرۂ ناپاک) کو سجدہ کیا۔ اور کرایا۔ ایسے گستاخ انسانوں نے ذراسی دیر کے لئے تدبر و تفکر سے کچھ کام لیا ہوتا۔ تو ان کو معلوم ہوجاتا۔ کہ انسانوں کی ہستی ہی کیا ہے۔ اور حضرت انسان کی بساط ہی کیا ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ ذرا اپنی اصلیت پر توجہ کرنی چاہیئے تھی۔ معلوم ہوجاتا۔ کہ حضرت انسان نہایت ہی حقیر و ذلیل اجزا سے بنائے گئے ہیں۔ پھر اس ترکیب کے بعد اگر شکم مادر میں مناسب غذا نہ پہونچتی۔ اور پیدا ہونے کے بعد والدہ کے دل میں اللہ تعالیٰ محبت نہ ڈالتا۔ اور وہ صرف چھ گھنٹہ ہی دودھ نہ پلاتی۔ تو پھر کیا حضرت انسان کی ہستی باقی رہ سکتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی ارضی و سماوی آفات سے اسوقت تک جبکہ حضرت انسان شعور کو ہی نہیں پونچے تھے۔ کس نے بچایا تھا۔ خوبصورتی بدصورتی، امارت و عزت، ذکاوت و عبادت، یہ سب باتیں کسی آجکل کے سائنسدان کی بنائی ہوئی نہیں ہیں۔ بلکہ ان تمام باتوں کا بنانے والا صانع حقیقی ہے۔ جو نہ کسی سے مشورہ کرتا ہے۔ نہ مدد کا طلبگار ہے۔

انسان کو اپنی رعنائی اور دلربائی پر گھمنڈ کرتا جسمانی قوت و طاقت پر فخر کرنا بےد

ہے۔کیونکہ انسان سے بڑھکر طاقت رکھنے والے خدا کی مخلوق بہایم ہے۔انسان کی طرح بولنے والے اور خوش الحان پرندے ہیں۔وہ دل بھی رکھتے ہیں۔اور دیگر اعضا بھی۔وہ چیخنے بھی ہیں۔اور چلاتے بھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ آدمیت اور انسانیت کسی اور ہی چیز کا نام ہے۔اور انسان محض چند انعامات وعطیات کی وجہ سے علوم الٰہیہ اور کنہ باری کی حقیقت تک رسائی نہیں کرسکتا ع۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ ؎

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار　　که پیدا نہ شد تختہ بر کنار

جو شخص توفیق ایزدی سے اپنی ہستی اپنی اصلیت وحقیقت پر نظر رکھتا ہے۔وہی کامل انسان ہے۔وہی خدا کو پہچان سکتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ اور وہ جان سکتا ہے۔اور اس کو یقین کامل حاصل ہو سکتا ہے۔کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنیوالا صرف وہی قدیر وبصیر ہے۔اور اس کی کنہ اور اس کی حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔وہی ذات مقدس لایق عبادت اور قابل ستایش ہے۔وہی مارتا ہے۔وہی زندہ کرتا ہے ؛

پس جب انسان کی نظر اپنی ہستی کی حقیقت کو دیکھ رہی ہے۔وہ مقدس انسان تمام بنی نوع انسان کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھتا ہے۔اور ایک جنس اور ہم نوع ہونیکی حیثیت سے تمام انسانوں کو بھائی بھائی خیال کرتا ہے۔اور لڑائی جھگڑے دنگے فساد کو بہایم کا خاصہ جانتا ہے۔ ؎ نزاکے میسر شود ایں مقام ٭ کہ با دوستانت خلافست و جنگ

حضرت انسان

بے شک خلعت وَلَقَدْ کَرَّمْنَا سے تم بھی مشرف ہو۔ خلافت و نیابت کی امانت

کا سارا بوجھ تمہاری گردن پر ہے:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ ہم نے ذمہ داری کو آسمانوں اور

وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں

مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (سورہ احزاب ع ۹ پ ۲۲) نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔ اور

اس سے ڈر گئے۔ اور آدمی نے اس کو (بے تامل اٹھالیا۔

پس اس لحاظ سے وہ انوار و برکات اور وہ تجلیات الٰہیہ حضرت انسان تمہیں ہی

حاصل ہونی چاہئیں۔ کہ جس سے تفریق و انانیت بالکل اٹھ جائے۔ اور اخوت و اتحاد نیز

مساوات کی بنیاد مستحکم ہو جائے۔ پھر یہ انانیت اور یہ تکبر و گھمنڈ کیا ؟ ؎

تکبر زدانا بود ناپسند ☆ غریب آید ایں معنی از ہوشمند

ایک خدا رسیدہ صوفی جس کی نظر انسانی ہستی کی اصلیت و حقیقت پر ہے۔ وہ کبھی

متکبر و متمرد نہیں ہو سکتا۔ ایک خدا کا برگزیدہ جسے ادھر کی ذرہ برابر لو لگ چکی ہے۔

کچھ چوٹ کھائے ہوئے ہے۔ عبادت الٰہی کی حلاوت کا مزہ چکھ چکا ہے۔ کبھی کسی

کی تحقیر و تذلیل نہیں کر سکتا۔ ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا ☆ دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

وہ بنی نوع انسان کو اپنی طرح کا خدا کا بندہ جانتا ہے۔ اور اس بنا پر وہ کسی سے پرخاش و جھگڑا مول لینا نہیں پھرتا۔ ؎

چند سخنی یا برادر لے برادر نرم شو ٭ تا کے آزاری مسلمان اے مسلمان شرم دار

خدا کا برگزیدہ اور پیارا بندہ یہ یقین رکھتا ہے۔ کہ میں سب سے زیادہ عاجز و بیکس ہوں اس لیے وہ لوگوں کی عیب جوئی و بدگوئی نہیں کرتا۔ ؎

گرت چشمے خدا بینی بخشند ٭ نہ بینی ہیچکس عاجز تر از خویش

اس کو یقین ہے۔ کہ ایک نہ ایک دن اعلےٰ علیین کا پرندہ (روح) اس خاکی پنجرے سے پرواز کر جائے گا۔ اس وقت یہ کٹورا سی آنکھیں اس کے انتظار میں پتھرا جائیں گی۔ پرغرور دماغ کیڑوں مکوڑوں کی غذا اور رسوکار (گوہ) کا مسکن بن جائے گا۔ ؎

خفتگان بے چارہ در خاکِ لحد ٭ خفتہ اندر کلہ سر سوسمار

اس وقت اس زبان کی تیزی کسی کام نہ آئے گی۔ اور یہ قوی و توانا بازو اور یہ ہاتھ پھر کسی مظلوم پر نہ اٹھ سکیں گے۔ الغرض جسم خاکی اپنی اصل سے مل جائے گا۔ پھر مٹی کا مٹی پر فخر و غرور کرنا کہاں تک درست و زیبا ہو سکتا ہے۔ ؎

پند گیرو ہر کہ او فرزانہ است ٭ ابلہاں را ایں سخن افسانہ است

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا جوئی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

خود غرض انسان

خودغرض انسان توکسی کا نہیں۔ تیری کوئی بات خود غرضی سے خالی نہیں۔ تیرا خلوص لوٹ سے بھرا ہوا ہے۔ تیرا ایثار خود پسندی پر مبنی ہے۔ میں تیری چالاکیوں سے خوب واقف ہوں۔ تو جب تک کوئی بڑا فایدہ پیش نظر نہیں دیکھ لیتا۔ اس وقت تک کم فایدہ کی بات نہیں چھوڑتا۔ تو اپنے ہر کام کی جزا چاہتا ہے۔ تو ہر خدمت کے معاوضہ کا طالب ہے۔ تو کبھی کسی کے کام نہیں آتا۔ تو جو کچھ کرتا ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے لئے کرتا ہے۔ او! محبت کے دعویدار تیرا دعویٰ مسلم، مگر یہ تو بتا کس سے محبت کرتا ہے؟ اسی سے جس کو تو پسند کرتا ہے۔ او اپنی پسند کے پرستار کبھی ایسی ہستی سے بھی محبت کر۔ جسے تو پسند نہیں کرتا ایسی محبت پر تجھے ناز ہے۔ جو سراسر تیری خواہشوں کے ماتحت ہے۔ اگر تجھ میں اخلاص ہے۔ تو اپنی خواہشوں پر غالب آکر ان سے محبت پیدا کر جو تیری خواہش کے مطابق نہیں ہیں کسی شئے کے گم ہو جانیکا یا کسی شخص کے جدا ہو جانیکا تجھے بہت غم ہے۔ اس کا نام تیری اصطلاح میں وفا ہے۔ تیری وفا کا کیا کہنا۔ سچ بتا۔ کیا تجھے فی الحقیقت کسی سے محبت ہے۔ اور محض اس محبت کی بنا پر تو غمگین ہے؟ یا تو اپنے ان فواید کے لئے بے چین ہے۔ جو اُس

چیز یا اس شخص سے وابستہ تھے۔ اور اب وہ فوت ہو گئے ہیں۔ اگر ایسا ہے۔ تو محبت ووفا کو کیوں بدنام کرتا ہے۔ سن او مطلب آشنا! اگر درحقیقت تو چاہتا ہے کہ خلوص کی دولت اور مہر ووفا کی نعمت سے مالامال ہو۔ تو پہلے اپنی روح کو مفاد کی آلودگیوں اور لوث وغرض کی کثافتوں سے پاک کر۔ اس کے بعد تو اس منزل میں پہنچے گا۔ جہاں کوئی چیز اپنی نہیں۔ یعنی ہر چیز اپنی ہے۔ اور جہاں دشمن و دوست اور رنج ومسرت کے الفاظ کوئی مفہوم نہیں رکھتے۔

کبھی تم نے اس بات پر بھی غور کیا ہے۔ کہ اگر تمہارے خیالات پبلک میں آجائیں۔ یا کوئی آنکھ دل کے پردوں کو عبور کرتی ہوئی تمہارے خیالات تک جا پہنچے۔ تو کیا ہو؟ تم نے کیا بارہا دیکھا ہوگا۔ کہ جب کوئی برا خیال عملی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تو تمہاری بدنامی ورسوائی اور ذلت وخواری میں کچھ کسر نہیں رہتی۔ جب برے خیالات دل ودماغ پر متمکن ہوں۔ اس وقت یہ فرض کرو۔ کہ وہ عملی صورت اختیار کر رہے ہیں۔ اور تمہاری طرف چند ایسی آنکھیں نگراں ہیں۔ جن کا تم لحاظ کرتے ہو۔ شاید اس تصور سے شرما جاؤ گے۔ اور پھر ان خیالات کی جرأت نہ کرو گے۔ تم کسی کو پسند نہیں کرتے یا تم کسی سے خفا ہوتے ہو۔ یا تم کسی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہو۔ اس وقت تمہارے خیالات کیا ہوتے ہیں؟ یہ خیالات اگر اس شخص کو معلوم ہو جائیں تو تمہیں کیسی ندامت ہو۔ تمہیں سنائی نہ دیتا ہو۔ لیکن تمہارا ضمیر بآواز بلند تم کو آج

سے روکتا ہے۔ تم دل میں بُرے خیالات چھپا کر بےخوف نہ ہو جاؤ۔ ممکن ہے کہ کوئی انسان ان سے واقف نہ ہو سکے۔ لیکن اس حاضر و ناظر ہستی سے بچنے کی کیا تدبیر ہے۔ جو عالم الغیب ہے۔ اور :- یَعْلَمُ مَا فِی الصُّدُوْر ؟

پیدائش کے بعد انسان کا بچپن سے لڑکپن تک پہنچنا یقینی نہیں۔ لڑکپن کی منزل طے ہو جائے۔ تو جوانی کی بہار دیکھنا یقینی نہیں۔ جوانی بھی میسّر آجائے۔ تو بڑھاپا یقینی نہیں تعلیم و تربیت و شادی بیاہ، اولاد، مال، دولت، غرض ان میں سے کوئی بھی یقینی نہیں۔ اگر زندگی کے بعد کوئی چیز یقینی ہے۔ تو صرف موت :- یہ ایک ایسا یقین ہے۔ جس میں کبھی تزلزل واقع نہیں ہو سکتا جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انسان کا حافظہ موت کے معاملہ میں جتنا کمزور واقع ہوا ہے اتنا دنیا کے کسی معاملہ میں نہیں۔ ریل کے سفر میں دیکھو۔ جو مسافر یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہمیں تھوڑی دیر کے بعد اتر جانا ہے۔ یا جو مسافر یہ جانتے ہیں۔ کہ ایک دو اسٹیشنوں کے بعد ہم چلے جائینگے۔ وہ دوسرے مسافروں سے جھگڑا نہیں کرتے لیکن جو مسافر یہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ہم کو ریل ہی میں رہنا ہے۔ اور وہ گھر کی طرح آرام و راحت کی جستجو کرتے ہیں۔ ان کو اپنے ہم سفروں سے ہمیشہ ناگواری پیدا ہوتی ہے۔ یہی حالت اس بڑے سفر کی ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ زندگی دو دن کی ہے۔ وہ بنی نوع کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اور دل میں بے ایمانی و بددیانتی کا خیال نہیں آنے دیتے۔ لیکن جو لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہیں۔ کہ ہمیں اور ہماری نسلوں کو عرصۂ دراز تک دنیا میں رہنا ہے۔ وہ دوسروں کی حق تلفی

و جبر و ستم اور بے ایمانی کو روا رکھتے ہیں۔ پس جن کو نیک بننا ہے۔ وہ موت کو کبھی نہ بھولیں۔ اور موت کی یاد کو اپنا اتالیق مانیں۔

شریف آدمی

وہ ہے جس کی طبیعت عالی ہے۔ جو مصیبت اور افلاس میں بھی شریف ہی رہے۔ شریف وہ ہے۔ جو ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ جس کو ہمیشہ اپنی عزت کا خیال رہتا ہے۔ جو اپنے ضمیر کی ہدایتوں پر چلتا ہے جیسی وہ اپنی قدر کرتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کی عزت کا بھی اسے خیال ہے۔ اس کی نظر میں سب انسان قابل تعظیم و تکریم معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے کوئی کمینہ کام نہیں ہو سکتا۔ سچائی اس کا قانون ہے۔ جب وہ کہتا ہے "ہاں"۔ تو وہی ہاں اس کا قانون ہے۔ اور جب وہ کہتا ہے "نہیں"۔ تو وہی نہیں۔

اُس کا قانون ہے!

حدیث شریف:- اَلشَّرَفُ بِالْفَضْلِ وَالْاَدَبِ لَا بِالْاَصْلِ وَالنَّسَبِ
شرافت اور بزرگی فضیلت اور آداب پر موقوف ہے حسب نسب پر نہیں۔

مذہب

اس میں شک نہیں۔ کہ دنیا میں جتنے مذاہب ہیں۔ ان کی بنیاد نہایت نیک
نیتی سے ڈالی گئی ہے۔ اور گو جہل نے کچھ بیہودہ رسم ورواج کو مذاہب میں داخل کر کے
ان کی اصلی حقیقت روپوش کر دی ہے۔ تاہم اس کا الزام بانیٔ مذاہب پر عاید نہیں ہو
سکتا۔ وہ سب یقینی بنی نوع انسان کے محسن تھے۔ اور ان سب کی تعظیم کرنا ہمارا اخلاقی
فرض ہے۔ ہندوستان کو بالخصوص مذہب کا سودائی کہا جاتا ہے۔ اور اس کے جہل
کو عموماً اس کا سبب قرار دیتے ہیں۔ ہم اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ البتہ یہ ضرور
کہیں گے۔ کہ مذاہب کے پردوں میں گناہ کبیرہ ہوتے ہیں۔ سینکڑوں بندگان خدا کا
خون ہوتا ہے۔ ہزاروں حق تلفیاں عمل میں آئی ہیں۔ اور اس کی ذمہ داری بڑی حد تک
اندھی تقلید اور جہل مرکب ہے۔ ورنہ مذہب تو امن عامہ اور اخلاق حمیدہ کی تعلیم دیتا
ہے۔ ہندوستان کی بدقسمتی یہ ہے۔ کہ اس نے مذہب کے دائرہ عمل کو محض دینی فرائض
تک محدود کر رکھا ہے۔ اور دنیاوی امور میں اس کے پیروؤں کا رویہ بالکل برعکس ہے
جس کے دل میں بندگان خدا کی محبت نہ ہوگی۔ وہ خدا کی محبت کا دعویٰ کیوں کر کر سکتا
ہے۔ جو برق، ہوا، پانی اور دیگر عطیات ربی سے پورا استفادہ حاصل نہ کر سکے۔ وہ

خالق کا نا شکر گذار ہے۔ اور اس کی عظمت اس کے دل میں پوری نہیں پیدا ہو سکتی۔ جب مذہبی تعلیم کا دنیاوی امور میں ہمارے دل پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اور ہم اپنے اخلاق اور دیگر خصایل میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھتے۔ جب ہم اپنے نفس امارہ پر قابو نہیں پا سکتے۔ جب اپنی خواہشاتِ حیوانی کو فرو نہیں کر سکتے۔ تو دیندار ہونا درکنار انسان بننا بھی مشکل ہے۔ جب مذہبی احساس کے باوجود ہمارا یہ حال ہے۔ تو اگر ہمیں کوئی مذہب کا سودائی کہے۔ تو کیا بے جا ہے۔

ہم محض مذہب کے نام پر عاشق ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت ہمارا کوئی فعل اس کے مطابق نہیں۔ مذہب کے رو سے بنی نوع انسان پر جو فرایض عاید ہوتے ہیں۔ انکی تکمیل بالکل نہیں کی جاتی۔ بنیادی فرایض دین سے جُدا نہیں۔ اگر دین کے رموز بڑے بڑے عاقل کے نزدیک ابھی تک رازِ سربستہ کے مرادف ہیں۔ تو دنیوی فرایض بچے پر بھی آشکار ہیں۔ جرمن مُدبر کا قول ہے۔ کہ دنیادی فرایض کے اصول پوتو کے نصایح کی طرح نہیں۔ جو ذو معنی اور دقیق ہوں۔ جن کے مطالب رازِ سربستہ کی طرح ہوں۔ جن کی نوعیت پُر فریب، اور جو قول سے فعل میں آتے وقت بالکل برعکس ہوں۔ مگر دنیادی فرایض کے متعلق اقوال خداوندی بابِ فردوس کی طرح کشادہ، ماہِ منور کی طرح روشن اور اپنی خوبیوں میں مہرِ جہانتاب کی طرح صحت بخش ہیں۔ یہ یقینی صحیح ہے۔ کہ جو شے آنکھ سے اوجھل ہو۔ گو انسان کی عقل اس کے تجسس پر مجبور ہو۔ تاہم اگر اس کی پوری حقیقت معلوم نہ کر سکے۔ تو موردِ الزام نہیں۔ البتہ اس حد تک اعتراف کرنے

[illegible] جہاں تک اس کی حقیقت بیّن طور پر عقل میں آسکے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق
ہوکر کی [illegible] ملاحظہ طلب ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ انسان کی محدود اور ناقص عقل
سے اس اعلیٰ اور برتر ہستی کی مشیت اور حکمت کا سراغ لگانا خطرے سے خالی نہیں۔ گو اس
مالک حقیقی کی معرفت ہماری روحِ رواں اور اس کے متبرک نام کے اظہار میں ہماری
حقیقی مسرت پنہاں ہے۔ مگر پھر بھی اس ذاتِ مقدس کے متعلق ہماری سب سے
بڑی قابلیت کا اظہار اسی میں ہے۔ کہ جو کچھ ہم اسے سمجھ رہے ہیں۔ وہ اس سے مبرّا
ہے۔ یا یہ کہ وہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ اس کے متعلق ہمارا سکوت ہماری
بہترین گویائی کا ثبوت ہے۔ جب ہم بلا اعتراف ہی اس کی ناقابلِ تشریح شان اور
عظمت کے معترف ہیں۔ جو ہمارے احاطہ علم سے باہر ہے۔

ہوکر نے ایک جگہ بچوں کی تربیت کے بارے میں اپنی یہ رائے دی ہے۔ کہ ان کے
(بچوں کے) دلوں میں خدائے عزّ اسمہٗ کی سچی محبت اور وقعت قائم کر دی جائے۔ اس
مسئلہ کو زیادہ وضاحت سے بیان نہ کیا جائے۔ ابتداً اسی قدر کافی ہے۔ مبادا اس
قدر جلد روحانیت کی تعلیم دینے سے یا تو بچہ کا دماغ باطل پرستی کے مادے سے پُر ہو
جائے گا۔ یا وہ باری تعالیٰ کی ہستی کو قیاس کرکے گھبرائیگا۔ اور میرے خیال میں تو یہی مناسب
ہے۔ کہ لوگ خدا کی ہستی کے متعلق اس اعتقاد پر اکتفا کریں۔ اور اس مقدس ذات کے
متعلق ضرورت سے زیادہ تجسس نہ کریں۔ جس کو سب نے بالاتفاق بیرون وہم و قیاس مانا
ہے۔ کیونکہ اکثر لوگوں کے تخیل میں وہ قوت اور لطافت نہیں ہوتی۔ جس کی راہنمائی

سے وہ حق اور باطل سے تمیز کر سکیں۔ اس لیۓ اکثر توہمات اور بُت پرستی کی ظلمت میں آکر صفاتِ خداوندی پر انسانی صفات کا اطلاق کرنے لگتے ہیں۔ یا (چونکہ اس سے زیادہ کچھ قیاس ہی نہیں کر سکتے۔) اس کی ہستی ہی کے منکر ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے جملہ مذاہب نے ہستی باری تعالیٰ کو تسلیم کیا ہے۔ اور کوئی فلاسفر ایسا نہیں جس نے کسی نہ کسی طریقہ پر اس اعلیٰ اور برتر ذات کا اعتراف نہ کیا ہو۔ جو مذہب فطرت سے زیادہ نزدیک ہوگا۔ وہ بے شک زیادہ قابل وقعت ہوگا۔ مذاہب میں اصول حفظِ صحت۔ علم الاخلاق۔ ترغیب شجاعت۔ حقوق نسواں وغیرہ وغیرہ۔ محض نظام دنیوی اور حیاتِ انسانی قائم رکھنے کیلئے مقرر کیے گئے ہیں۔ مذہبی رنگ میں ان کی اہمیت اور زیادہ ہوگئی ہے۔ اور ہر متنفس ان کی پابندی پر مجبور ہے۔ مگر افسوس ایسا نہیں ہوتا۔ عالم بے عمل جاہل مطلق سے زیادہ قابل ملامت ہے۔ آخر الذکر کو اپنے فرائض کا احساس نہیں۔ اول الذکر کو احساس ہے۔ مگر پھر بھی طرز عمل برعکس ہے یہ ایک ناقابل معافی قصور ہے۔ اگر ہم خدا کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔ تو یقیناً ہمارے دنیاوی اعمال میں لغزش نہیں آسکتی۔ اگر ہم واقعی موت کو یقینی اور برحق جانتے ہیں۔ تو بدی کا ارتکاب ہرگز نہیں کر سکتے۔ مگر ہم نے مذہب کے دائرہ عمل کو بالکل محدود کردیا ہے۔ ورنہ بقول لارڈ ایبری :-

مذہب دنیاوی اشغال میں ہمارے چال چلن کا راہنما، ہماری حرکات و سکنات کا آئین ہے۔ آسودگی کے زمانہ میں ہمارا محافظ، ایام مصیبت میں موجب راحت ہنگام

تفکر میں ہمارا معاون، خطرے میں پناہ۔ اور رنج میں مشفق ہے۔ فنش نے کیا خوب کہا ہے۔ مذہب محض اس مشغولیت کا نام نہیں۔ جو اوقات مقررہ پر لوگ ارکان دین ادا کرنے میں عمل میں لاتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک ایسی مستور روح ہے۔ جو ہمارے خیالات و افعال میں جاگزین ہو کر ان کو اعلیٰ اور برتر بنا دیتی ہے۔ سچے مذہب میں ناقابل عمل باتیں نہیں ہو سکتیں۔ نہ بیرون قیاس مسائل کا طومار ہو سکتا ہے۔ اس کا حرف حرف انسانی فطرت کو لئے ہوگا۔ اور انسان جس طرح عقلی کے نفع کے لئے اس کی پیروی کرے گا۔ اسی طرح دنیادی بہبودی بھی اس کی تقلید سے پیدا ہو گی۔ کیونکہ دنیا تو مزرعہ آخرت کا ہی نام ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی تقریر میں اہل یہود کو یوں مخاطب فرمایا تھا:۔

یہ حکم جو آج میں تمہارے روبرو بغرض تعمیل پیش کر رہا ہوں۔ نہ تو تم سے پوشیدہ ہے نہ بیرون۔ نہ بہشت میں ہے۔ کہ تم کہنے لگو۔ کون وہاں جائے۔ اور اس کو لائے نہ سمندر پار ہے۔ کہ تم کہنے لگو۔ کون وہاں جائے۔ تاکہ ہم اس کو سند لا کر عمل پیرا ہوں۔ مگر میرے حکم کے الفاظ تم سے بہت قریب ہیں۔ یعنی تمہاری زبان پر ہیں۔ تمہارے دل میں کہ تم ان پر عمل کر سکو۔ مذہب کی بنا اعتقاد راسخ پر ہے۔ اور اگرچہ سلڈن نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ تاہم اس کا قول لطف سے خالی نہیں ہے۔

لوگ محض فتنہ فساد مٹانے کے لئے ہم مذہب ہونے کا اعتراف کرنے لگتے ہیں۔ ورنہ اعتقادات میں اس قدر اختلاف ہے۔ کہ دنیا میں تین شخص بھی ایسے نہ ملیں گے۔

جو تمام مذہبی امور میں ایک ہی اعتقاد رکھتے ہوں۔ شک کو فلسفہ بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ گلستانِ فطرت کے طلسم ایسے بھی ہیں۔ کہ انسان کو مبہوت بنا دیتے ہیں۔ مگر بعض چیزیں ایسی ہیں۔ جن کا ہمارے دل کو کافی احساس ہے مگر زبان سے ادا نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ زبان دلی خیالات کے اظہار کرنے کا ایک ناقص آلہ ہے سینٹ آگسٹائین نے اپنے دوست سے کہا تھا " اگر تم مجھ سے محبت کی تعریف پوچھو۔ تو میں نہیں بتا سکتا۔ اگر نہ پوچھو۔ تو کہوںگا۔ کہ جانتا ضرور ہوں۔ یہی حالت ہستی خداوند تعالیٰ کی اور بعض احکامات خداوندی کی ہے جن کی پوری حقیقت انسان پر منکشف نہیں ہوسکتی۔

روحانیت اسلامی نقطہ نگاہ سے

یہ روح اس جسم خاکی کی ہستی ہے۔ اور اس کا تعلق خاص ذات پاک سے ہے۔ گویا روح مثل آفتاب کے ہے۔ اور نفس مثل ابر کے ہے اور یہ سارا رات دن کا مشاہدہ ہے۔ کہ جب ابر آفتاب پر سے ہٹ جاتا ہے۔ تو دھوپ تیز ہو جاتی ہے۔ اور جب ابر کے پرت اس کے درمیان میں آجاتے ہیں۔ تو دھوپ کی تیزی کم ہو جاتی ہے۔ لیکن آفتاب کی ذاتی صفت میں اس عارضی حجاب سے کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ یہی حالت بجنسہ انسان کی ہے کہ جبتک نفسانیت کا دور دورہ رہتا ہے روحی اثر کمزور پڑ جاتا ہے۔ اور جب اس کے برعکس ہوتا ہے۔ تو مثل آفتاب کے وہ بھی اپنی اصلی قوت میں جلوہ نما ہوتی ہے۔

مذہب کیوں بدنام ہو رہا ہے؟

اسی وجہ سے مادہ پرستی اور اس کے لازمی نتائج یعنی تنگ نظری۔ خود غرضی۔
حرص حسد۔ ترقی پذیر ہیں۔ اور ان حالات میں فضائے عالم تاریک ہو رہی ہے۔
فطرت کے حسن حقیقی اور منشائے اصلی پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

میرے دوستو! کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔ کہ اسلام دنیا میں صرف ایک ہی پیام
لے کر آیا تھا۔ اور وہ یہ کہ انسانیت کے بکھرے ہوئے عناصر کو ایک سلک میں منسلک کر دے
لیکن آہ! کہ آج اسلام ہدف ملامت بنا ہوا ہے۔ اور اس کے ماننے والے اپنے فرض سے
غافل ہیں۔ سب جانتے ہیں۔ اور سب کہتے ہیں۔ کہ مذہب کا مقصد قیام امن ہے۔
لیکن صد ہزار افسوس کہ آج مذہب ہی نسل انسانی کے امن کی تباہی کا باعث ہو رہا ہے
اسی بنا پر الحاد پرست کہتے ہیں۔ کہ ہم کو مذہب کی ضرورت نہیں۔

پھر کیا درحقیقت مذہب اپنی اصلیت کے لحاظ سے باعث فساد ہے؟ خدا کی
قسم ہرگز نہیں۔ مذہب باعث فساد نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً اسلام تو ہرگز باعث فساد
نہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ آج اسلام کی اصلی روح مجروح و زخمی ہے۔ اور
جس چیز کو آج اسلام کے نام سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ وہ چند رسموں کا مجموعہ ہے۔
اور ایک قالب ہے۔ جس میں روح نہیں۔ آج چند ناسمجھ اور بے وقوف ملاؤں اور

جاہل فقیروں نے اسلام کو بچوں کا کھیل بنا دیا ہے۔ اور چند رسموں کا نام اسلام رکھ لیا ہے۔ جب تک اہل صدق و اخلاص کامل عزم و استقلال کے ساتھ بیوقوف ملاؤں اور جاہل صوفیوں کے دام تزویر کو چاک نہیں کریں گے۔ بلاشبہ فضائے عالم مکدر رہیگی۔ اور نسل انسانی کو امن نصیب نہیں ہوگا۔

یاد رکھو۔ چند معاشرتی اور تمدنی رسموں کا نام اسلام نہیں۔ اسلام ان چیزوں سے بالاتر ہے۔ اور اسلام کی صحیح تعریف وہی ہے۔ جو میں نے شروع میں بیان کی۔ پس پیکران اسلام کا فرض ہے۔ کہ وہ صحیح اسلام کو اختیار کریں۔ اور مذہب کا نام بدنام کرنے والوں کو جرأت رندانہ کے ساتھ پلیٹ فارم سے ہٹا دیں۔

مذہب کی حقیقت

اسی طرح ہر مذہب کے ماننے والوں کو چاہیے۔ کہ وہ مذہب کے معنی سمجھیں اور مذہب کی غرض و غایت پر غور کرے۔ اچھا مذہب اور ربانی مذہب وہی ہے۔ جو امن و عافیت کا حامی ہے۔ اور نسل انسانی کی ترقی اور امداد باہمی کا مؤید ہے۔ اور جو ہر قوم کے پیشواؤں کی عزت کرنا سکھاتا ہے۔ اور جو دوسروں کے بزرگوں کے خلاف زبان کھولنے سے روکتا ہے۔ اور جو انسانوں کے مابین الفت و محبت کے تعلقات برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ ایسا کامل اور اچھا مذہب صرف ایک ہے۔ اور وہ اسلام ہے جس کا رب اپنے آپ کو رب المسلمین نہیں کہتا بلکہ رب العالمین کہتا ہے۔

اسلام کیا ہے؟

چیست اسلام؟ شاہراہِ نجات ‏ ‏ نکتۂ امتیاز و موت و حیات

چیست اسلام؟ اثرِ قلبِ سلیم؟ ‏ ‏ اثرِ آں دعائے ابراہیم؟

چیست اسلام؟ علم را پر و بال؟ ‏ ‏ نو بہارِ حدیقۂ اعمال؟

چیست اسلام؟ جلوہ ریزِ قلوب ‏ ‏ مشرق و مغرب و شمال و جنوب؟

چیست اسلام؟ فطرۃِ ازلی؟ ‏ ‏ نقش موجِ محیطِ لم یزلی؟

چیست اسلام؟ شاہدِ توحید

معنیٔ رنگینیٔ ادب تمہید :-

اسلام اور مسلم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام :-

جھکا اللہ کے آگے جھکایا ساری دنیا کو ۔ یہ راز عظمتِ مسلم ہے سجدہ میں نہاں باقی

اسلام

پیارا اور مقدس اسلام، عالمگیر اور محیط کل ہے جس کا خدا رب العلمین، رسول رَسُوْلٌ کَافَّةً لِلنَّاسِ کتاب تَنْزِیْلٌ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ جس کی ابتداء خدا سے بقا خدا سے، اور انتہا خدا ہی ہے۔ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی جس کی بنیادی تعلیم ربوبیت عامہ کی ماتحت کمال عبودیت کو نصب العین قرار دیا ہے۔ یَا اَیُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کمال عبودیت یہ ہے۔ کہ عہدِ قوائے ملکی سبعی اور بہیمی میں معتدلانہ تصرف کرتا ہوا اعمال صالحہ کی وساطت سے خدائی صفات سے متصف ہو جائے۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ انسان معاذ اللہ خدا نہیں بن سکتا۔ مگر بقدر استعداد الٰہی رنگ میں رنگا جا سکتا ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً انسانوں کی قابلیت اور استعداد میں فرق ہے۔ اور اسی فرق مراتب کی وجہ سے الٰہی رنگ میں رنگے جانے کی صلاحیت بھی مختلف ہے۔ کوئی نبی ہے۔ کوئی صدیق۔ . . . . کوئی شہید اور کوئی صالح۔

کوئی سابق ہے۔ اور کوئی مقصد۔ اس اہلی رنگ کا مفہوم آیہ کریمہ: وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ: سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ...... گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

"عبودیت" میں کمال حاصل کرنا اسلام کا نصب العین ہے۔ جو قرآن کریم نے بصراحت مقرر کر دیا ہے۔ "عبودیت" رسالت سے بلند درجہ رکھتی ہے۔ اس سے اسلام نے "فادخلی فی عبادی" کہہ کر انسان کو یہ ہدایت کی۔ کہ وہ بلند اور بلند مراتب پر فائز ہوتا جائے۔ یعنی عبد سے معبود کی طرف اور خلق سے خالق کی طرف بڑھتا جائے تا کہ صفات الٰہیہ سے متخلق ہو جائے۔ برعکس اس کے رسالت خالق سے خلق کی طرف اور معبود سے عبد کی طرف یعنی نیچے آتی ہے۔ عبدہٗ و رسولہٗ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ عبد کو "رسول" پر تقدیم حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسان کو کاملترین انسان بنانا چاہتا تھا۔ اپنا نصب العین: فادخلی فی عبادی مقرر کیا۔

کمال عبدیت میں تھا جلال سلطنت مضمر
یہ نکتہ سیرت احمدؐ سے ہے یکسر عیاں باقی

اسلام محیطِ کُل ہے

اسلام نے ایک طرف کتاب کائنات میں اور دوسری طرف قرآن کریم میں جس وجود کا

ہوکر دنیا وجہان پر کلی احاطہ کرلیا۔ اور عقل وفہم سے خطاب کرتے ہوئے فاران کی چوٹیوں سے بآواز بلند منادی کی۔ کہ:۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ:۔

یعنی اسلام فطرت اللہ ہے۔ اور فطرتِ اللہ سے کسی کو گریز نہیں۔ اسلام زمین میں ہے آسمان میں ہے۔ دنیا وجہان میں ہے۔ عالم وعالمیان میں ہے۔ کائنات میں ہر ایک چیز اپنا فرض مفوضہ اپنی فطرت کے موافق انجام دے رہی ہے۔ پس ایسی حالت میں اگر کوئی چیز بجز اسلام یعنی فطرت اللہ کے کوئی دین یا مسلک پیش کرے۔" فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ " نہیں قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ:۔

یہی اسلام ہے فطرت نہیں تبدیل فطرت میں، اسی فطرت پہ قائم ہیں زمین وآسمان باقی

جوں جوں عقل وفہم میں ترقی ہوگی۔ فلسفہ وسائنس کی تعلیم بڑھیگی۔ مذاق عامہ پختہ ہوگا۔ گنجینۂ غیب سے نئے نئے اسرار غوامض عرصۂ شہود میں آئیں گے۔ اس نئی روشنی کے زمانہ میں رسل ورسائل میں آسانی کی وجہ سے تصادم عقول اور مبادلہ خیالات ہوگا

ایک عقیدۂ مذہبی دوسرے عقیدۂ مذہبی کے مقابل ہوگا۔ عقاید باطلہ، اوہام فاسدہ اور دور ازکار امیدیں کم ہونگی۔ یقین جانئے۔ کہ اسلام پیارے اسلام، پاک اور مقدس اسلام کی خوبیاں تسخیر قلوب کرتی جائیں گی۔ تمام دنیا وحدت کے رنگ میں رنگی جائے گی۔ اور چار دانگ عالم سے یہ راستی اور صداقت سے

لبریز صداللہ ہوگی ۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً :۔ ۵

یہودی ہیں کہ نصرانی برہمن ہیں کہ زرتشتی ۔ یہ ہیں سب لعنتِ اسلام کے متلاشیان باقی

کوئی دن میں یہ سارے جذب ہو جائینگے وحدت میں
رہیگا سکۂ توحید عالم میں رواں باقی

نظامِ اسلام

توحید:۔ اصل اعظم ہے ۔اور اسی پر تمام فضائل روحانی وجسمانی متفرع ہوتی ہیں۔

توحید کیا ہے ؟ خدا کو ایک ماننا اور وحدہٗ لاشریک لہٗ جاننا ۔

ایمان اور عرفان کے یہہ معنی ہیں ۔ کہ خدائے برتر و دانا کی ربوبیت ، رحمانیت ، رحیمیت ، اور مالکیت دلوں پر ایسی مسلّط اور ارادوں پر ایسی محیط ہو جائے ۔ کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔ کی اصلی حقیقت ہمارے قال وحال پر وارد ہو جائے ۔ یہی وہ ، ایمان باللہ ، دین قیم اور صراط مستقیم ہے ۔ جو مسئلہ کا مقصود (مطلوب) ہے ۔

اس رتبۂ عالیہ پر فائز ہو کر ہماری عبادت ، ہماری قربانی ، ہماری حیات وممات ۔ خالصۃ للہ ہو جائے گی ۔ یہی وہ حقیقی واصلی مسلک ہے جس پر اوّل المسلمین گامزن ہوا تھا ۔

" قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ :"

مسلم نام ہے۔ ساعی و مجاہد اور راضی برضا کا۔ مسلم ڈرتا ہے خدا سے۔ اور ڈراتا ہے ساری دنیا کو۔ جھکتا ہے خدا کے آگے۔ اور جھکاتا ہے۔ ساری دنیا کو۔ اپنے آگے رنگ لیتا ہے۔ خُمِ وحدت سے اور رنگ دیتا ہے۔ ساری دنیا کو خدائی رنگ میں محکوم ہے خدا کا، اور حاکم ہے سارے جہاں کا۔ وہ آبی الاصل انسان ہے۔ اور ایک خدا کا ہی ہو کر رہتا ہی۔

موحد چہ بر پاش ریزی زرش ۔۔۔ چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس ۔۔۔ برین است بنیاد توحید و بس

(۲) مُساوات

آفتاب توحید کی اولین شعاع مساوات ہے۔ جب توحید الٰہی کا دل پر تسلط ہے خداوند عالم کی کبریائی انسان پر محیط ہے۔ تو جہاں تک انسان کا خدا سے تعلق ہے۔ عجز وانکسار اور جہاں تک انسان کا انسان سے تعلق ہے۔ شعور مساوات پیدا ہوتا ہے۔ دربار احدیت میں شاہ و گدا امیر و فقیر میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں۔ اللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ وہ ایک ذات غنی ہے۔ باقی سب محتاج۔

ایک طرف کلی استغنا اور دوسری طرف کلی احتیاج تمام بنی نوع انسان کو مساوات کے پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیتی ہے۔ جب مساوات کا ادراک ہوا۔ تو انسانی دل روحانی منازل اخلاقی درجات اور تمدنی ترقیاں حاصل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ توحید سے مساوات پیدا ہوئی اور پھر مساوات نے انسان کو انسان کامل بنا دیا۔ حقوق و فرائض کی شناخت اور ان کا

تحفظ و التزام سب مساوات پر مبنی ہیں۔ ارشاد ہے۔ یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من

ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

پیدائش۔ طریق پیدائش ربوبیت عامہ یعنی ہوا۔ پانی اور آگ وغیرہ سے متفیض

ہونے میں سب برابر ہیں۔ معیار شرافت و فضیلت اتقاء یا نیکو کاری ہے سہ

ایمان انا سِ اکرم و اشرف ہے تم میں متقی۔ ہے عبث یہ امتیاز ابنِ فلاں بن فلاں

(۳) اخوت

مساوات کی سب سے پہلی صورت "اخوت" ہے۔ فطرت مساوات کے قریب ہے

اور دونوں میں شدت اتصال خدا پر ایمان لانیوالے اور اس بالاتر ہستی کا یقین کرنے

والے سب کے سب سلک اخوت میں منسلک کیے گئے۔ خدا ایک رسول ایک کتاب ایک

قبلہ ہے اور اس پر ارشاد ربانی کی مزید توثیق " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ " جہانتک

جہانیوں کا تعلق تھا مساوات عامہ اور جہانتک ایمانیوں کا باہم علاقہ ہے مساوات خاص

یعنی اخوت پیدا ہوئی۔ اخوت سے محبت اور محبت سے عشق اور عشق سے قربانی۔ اور

جاں نثاری پیدا ہوتی ہے۔ ایثار و کریم النفسی اپنے جوہر دکھاتی ہے سہ

یامر بالعدل والاحسان ثبت لوح دل۔ اور ایتاء ذی القربیٰ کی وہ قربانیاں

تھی زجن قربانیوں کی روئے دنیا پر نظیر۔ مال کیا اولاد و جاں تک بھی تھی نذر حق یہاں

۴۔ حُرّیَت

کھنچا ہوا

مساوات و اخوت منافی غیرت و منجر بوحدت ہیں۔ اور ان سے حرمت نفس پیدا ہوتی ہے۔ حرمت نفس یا خودداری حرّیت پیدا کرتی ہے۔ جو آزادی کے مفہوم سے اعلیٰ وارفع ہے۔ مساوات جذبۂ حریت ابھارتی ہے۔ آزادی اور آزادانہ رائے کا دور آتا ہے۔ تمدّن کی بنیادیں پڑتی ہیں۔ مگر یاد رہے۔ کہ یہ خودداری غرور و تکبر کی حد تک نہ پہونچ جائے یہ مادر پدر آزادی ہوگی۔ جو مذموم ہے آزادی خالی حدود کے اندر رہنی چاہیئے۔ سے

حرمتِ نفس و مساوات و اخوت عدل و رحم
چشمۂ توحید سے یہ پنج دریا ہیں رواں۔
بنگئے جنگل گلستاں ہوگئے صحرا چمن۔
ہوگئیں سرسبز یکسر جسم و جاں کی کھیتیاں

٭٭٭

(۵) عدالت

افراط و تفریط مذموم ہے۔ اور اعتدال محمود۔ انسان جلب منفعت اور دفع نا ملائم کا دلدادہ ہے۔ مساوات میں خلل انداز ہوتا ہے۔ جہاں تک افراد کا افراد سے جماعت کا جماعت سے اور قوم کا قوم سے تعلق ہے۔ منافع اور مضار کو جیسی کہ صورت ہو۔ عدد

مناسب میں رکھنے کیلئے عدالت کی ضرورت ہے۔ قوائے نفسانیہ یعنی طبیعت عامہ میں معتدلانہ تصرف کی ضرورت ہے۔ غرضکہ روحانی، اخلاقی اور جسمانی خوبیاں برقرار رکھنے یا حاصل کرنے کیلئے عدالت لابدہے۔ قرآن کریم میں عدالت کو قرین تقویٰ کہا گیا ہے۔ اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى اسلامیوں کو امت وسطیٰ کا خطاب دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیم اعتدال اور میانہ روی کا نمونہ ہے۔ نہ وحشیوں کی طرح رہبانیت اور نہ بہایم کی طرح تن پروری کا اس سے ظاہر ہے۔ کہ عدالت بھی مساوات کی ایک صورت ہے جس سے مساوات کو قایم رکھا جاتا ہے۔ جو با اوقات انسان کی بد عنوانیوں اور خودغرضیوں سے مرکز ثقل سے ہٹ جایا کرتی ہے۔

دشمنوں کے ساتھ بھی عادلانہ برتاؤ اسلامی خصوصیت ہے۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا۔

مندرجات بالا سے ظاہر ہے۔ کہ مساوات، اخوت، حریت، اور عدالت ایک ہی اصل اعظم یعنی توحید کی شاخیں ہیں۔ توحید کی ماتحت تہذیب و تمدن کے یہ چاروں فضایل اربعہ عناصر ہیں۔

اخلاق فاضلہ کی بنیاد "عدالت" ہے۔ اور فضایل روحانی کا مرکز "اخلاص" توحید اور اخلاص کو بعض مفسرین نے ہم معنی بتایا ہے۔ اور سورۃ اخلاص سے یہ استدلال کیا ہے۔

اگرچہ روحانی و اخلاقی فضایل میں کوئی حد فاصل قایم نہیں کی جا سکتی۔ مگر تاہم

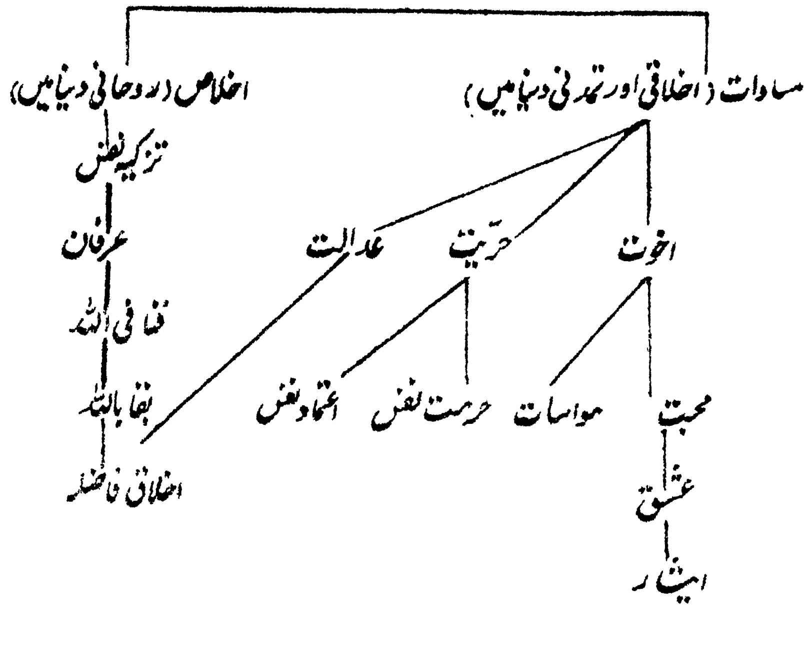
فہم مطلب کے لئے قلب سلیم یہ شہادت دیتا ہے۔ کہ "اخلاص" روحانیت کی روح ہے۔ اور "مساوات" تمدن و اخلاق کا سنگ بنیاد۔ اخلاص کے بغیر روحانیت، حاصل نہیں ہو سکتی۔ مساوات کے بغیر اعلیٰ تمدن قایم نہیں ہو سکتا۔

اسلام نے روحانیت اور جسمانیت میں حکیمانہ امتزاج کیا۔ دین و دنیا کو ملا کر انسان کو احسن التقویم کی مسند پر بٹھایا۔ اور ظہور اسلام سے پہلے کون جانتا تھا۔ کہ انسان خلیفۃ اللہ و نائب خدا ہے؛ ع

اسفل السافل تھا انسان پاؔل کی تعلیم میں ۔ احسن التقویم کی مسند پہ بٹھلانے کو ہیں،

نظام اسلام کا شجرہ حسب ذیل ہے۔ جو مکمل و مختتم نہیں۔ صرف توضیح مضمون مقصود ہے

توحید



اس پر حکمت اور پر معرفت نظام سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب خدا عادل و مقسط ہے۔
تو برے یا بھلے عمل کی ضرور سزا یا جزا ملیگی۔ کارخانہ کائنات عبث نہیں۔ اور جب یہ
صورت ہے۔ تو معاد یا آخرت جسے عرف عام میں قیامت کہتے ہیں۔ ضرور واقع ہوگی۔
پھر توحید اور مساوات کو عملی طور پر پختہ کرنے کیلئے اور یہ کہ انسان اس زرین اصول
سے غافل نہ ہو جائے، اسلام نے عملی تدابیر سے کام لیا۔ اور نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ
کو فرض قرار دیا۔ نماز جماعت میں دن میں پانچ دفعہ مساوات کا عملی سبق سکھایا
جاتا ہے۔ روزہ بے جا اور بے ہنگام آزادی پر روک اور ضبط نفس کی تعلیم ہے
اور ساتھ ہی حالت غنی میں بھوک اور پیاس کا احساس ہے۔ تاکہ متمول اپنے غریب
بھائی کو نہ بھول جائے۔

احتمال تھا کہ مساوات کو متمول اور مرفہ الحال لوگ بھول جائیں گے۔ اس لئے
ان پر حج اور زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اہل نصاب کو اپنے مال کا چالیسواں حصہ اپنے غریب
اور محتاج بھائیوں کو دینا لازم ہے۔ اور یہ عملی اخوت اور عملی ہمدردی کا اہم سبق ہے
زکوٰۃ کو لازم کر دینے سے مال و دولت کی کسی حد تک تقسیم کر دی۔ تاکہ اشتراکیت
وسوشل ازم کی قباحتیں نہ پیدا ہوں۔ کہ ایک شخص امیر الامراء اور دوسرا غریب الغربا ہے
حج میں شاہ و گدا، امیر و غریب ایک ہی ہیئت کذائی میں احرام باندھتے
اور سب کے سب ایک ہی قسم کے لباس میں لبیک لبیک پکار کر اصلی اور واقعی
مساوات کا عملی سبق سیکھتے ہیں۔

اللہ اکبر نظام اسلام کیسا پرحکمت نظام ہے۔ نظام اصولی کو قائم رکھنے کیلئے نظام عملی بھی بے نظیر ہے۔ ارشاد ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰاکِعِیْنَ۔ قیام صلوٰۃ میں استحکام توحید اور ایتاءِ زکوٰۃ میں ہمدردی و مواسات اور راکعین کے ساتھ رکوع میں اتحاد و اتفاق کی عملی تعلیم ہے۔ یاد رہے کہ مذہب کی بنیاد ہے محبت الٰہی۔ اخلاق کی بنیاد ہے۔ عدالت۔ مدنیت کی بنیاد ہے۔ ضرورت اجتماع۔

چونکہ انسان مدنی الطبیعت ہے اور اسلام عین فطرت اس لیے اسلام نے رہبانیت اور جوگی پن کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مدنیت کے قیام کے لیے سیاست لازم ہے۔ پھر مذہبی۔ تمدنی۔ اخلاقی اور سیاسی فعل و انفعال و باہمی تاثیر و تاثر کا نام ہے کسی قوم کی شائستگی و تہذیب کا معیار یہ ہے۔ کہ آیا اس قوم کا بلحاظ مذہب و اخلاق اور تمدن و سیاست کیا پایہ ہے۔

اگر مذہب ناقص ہے۔ تو اخلاق ناقص ہیں۔ اگر اخلاق ناقص ہیں۔ تو مدنیت یا تمدن ناقص ہے۔ تو سیاست ناقص ہے۔ تہذیب کی زنجیر ان چار کڑیوں سے مرکب ہے۔ اور پھر یہ چاروں کڑیاں ایک دوسری سے باہم ایسی مربوط اور ایسی پیوست ہیں۔ کہ ذہن میں ان کا مجرد طور پر آنا مشکل ہے۔ مذہب کا اثر اخلاق پر۔ اور اخلاق کا اثر مذہب پر۔ اور پھر ان دونوں کا اثر مدنیت پر۔ اور پھر اپنی جگہ مدنیت کا اثر اخلاق و مذہب پر۔ اور پھر ان تینوں کا اثر سیاست پر پڑتا ہے۔ سچے مذہب کی جہاں یہ غایت

ہے۔کہ روحانیت کی تکمیل ہو۔ وہاں وہ کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کہ وہ منازل و مراحل جو روحانی تکمیل کی راہ میں واقع ہیں۔ زیادہ سے زیادہ صاف اور پاکیزہ نہ ہوں۔ پس اسلام نے اس خاصہ جبلی کو جسے مدنیت کہتے ہیں احسن طریق سے ابھارا۔ زیادہ روشن کیا۔ اور بالآخر اس رتبۂ عالیہ پر پہنچا دیا جہاں پہنچ کر ملکی صفات ہمدردی اور ایثار کی پیدا ہو جاتی ہیں +

نماز عیدین۔ نماز جماعت۔ نماز حج۔ روزہ اور زکوٰۃ اسی ضرورت اجتماع اور خاصۂ مدنیت کو زیادہ چلا دینے اور زیادہ مستحکم و مضبوط کرنے کے موثر سبق ہیں۔ ہ

"اَقِیمُوا" اور "آتُوا" میں یہی ایک رمز ہے پنہاں
کہ ہے حق خدا کیساتھ حق بندگان باقی

اس بابرکت نظام نے ایک الہٰی الاصل جماعت پیدا کی جس کے سامنے کوئی زمینی، قوت و طاقت نہ ٹھہر سکتی تھی۔ اور نہ ٹھہری۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں مذہب، قوم، اور سلطنت کی بنیاد قایم ہو گئی۔ ساھ سے سلہ تک تمام عرب اور اس کے مختلف شورہ پشت اور جنگجو قبایل یکجان اور دو قالب ہو گئے۔ اور پھر چار سال کی قلیل مدت میں سرزمین شام و ایران میں اسلامی جھنڈا نصب ہو گیا۔ قیصر و کسریٰ کی دنیادی شان و شوکت اسلامیوں کی دینی عظمت و جبروت کے سامنے گرد ہو گئی۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۔ ہ

ایک دین اور ایک قبلہ اک رسول اور اک کتاب اک خدا کے سامنے سجدہ میں جھک جانے کو پیدا

آرہی ہے قصر قیصر طاق کسریٰ سے صدا۔ ساجدین اللہ کے مسجود بن جانے کو ہیں

مختصر یہ کہ تاریخ کے اوراق اٹھو۔ دنیا کی تہذیب و تمدن کے ابتدائی مرحلوں سے گزرو اور تاریخ انتہائی منازل کی طرف بڑھتے آؤ، اس دشوار گذار راستے اور پر خطر وادی میں دیکھو گے کہ انسان کو انسان بنانے کیلئے انبیاء اور مصلحان قوم نے کیا کیا مصیبتیں برداشت کیں۔ کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں۔ جان جوکھوں میں ڈالے۔ مارے گئے۔ جلائے گئے۔ سولی پر لٹکائے گئے۔ زندہ زمین میں گاڑ دیئے۔ آروں سے چیرے گئے۔ وطن مالوف سے نکالے گئے۔ جلاوطن کئے گئے۔ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ غرضکہ تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ باغِ تمدن کی ابتداء میں جب داغ بیل ڈالی گئی۔ تو اس کی تہہ میں خون شہداء رکھا گیا تھا۔ اور خون شہداء ہی سے بعد میں اس کی آبیاری کی گئی۔ اور انہیں مقدس اور جانباز قافلہ سالاروں کے طفیل تم اس باغ کو سرسبز اور شاداب دیکھ رہے ہو۔

جب بڑھتے بڑھتے انتہائی منزل پر پہنچو گے۔ تو یہ حقیقت عینی تم پر کھل جائے گی۔ کہ معراج انسانیت ہے اسلام غایت الغایات تہذیب ہے اسلام۔ علم و حکمت کا دفتر ہے اسلام۔ فہم و فراست کا مجموعہ ہے اسلام۔ علم و فضل کا مرقع ہے اسلام۔ دنیا کے تجربوں اور مشاہدوں کی تصویر ہے اسلام۔

کتاب کائنات کی تفسیر ہے اسلام۔ اور صحیفہ فطرت کی تعبیر ہے اسلام۔ اسلامی سیرت قالب آلہیہ میں ڈھلتی ہے۔ اور پھر ساری دنیا کو سانچے میں ڈھال لیتی ہے۔ موحدانہ سیرت منتشرہ عادات پر غالب آتی ہیں۔ چنانچہ اسلامیوں کی اعلیٰ وارفع تمدن نے جو توحید نے پیدا کیا تھا

مصریوں، یونانیوں، رومانیوں ایرانیوں اور ہندوؤں کو نیچا دکھایا اور اپنی فتوحات عظیمہ کا سکہ دنیائے معلومہ کے اس سرے سے اس سرے تک بٹھایا۔ یہ ایک تاریخی صداقت ہے۔ کہ وہی قوم دوسری اقوام پر غالب آتی ہے جس کا تمدن مفتوحہ قوم سے اعلیٰ اور فایق ہوا۔

اگر کبھی کوئی ناشایستہ اور غیر مہذب قوم کسی شایستہ یا مہذب قوم پر غالب آئی۔ تو وہ کبھی اپنے تمدن کا رنگ مفتوح قوم پر جس کا تمدن فاتحہ قوم سے اعلیٰ ہو نہیں چڑھا سکی تاتاریوں نے اسلامیوں پر فتح پائی۔ اور ان کے ممالک تاخت و تاراج کیے۔ مگر بالآخر مسلمانوں کے اعلیٰ اور اشرف تمدن میں جذب ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اسلامی تعلیم سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اور علوم و فنون اسلامیہ کے سرگرم سرپرست ثابت ہوئے۔

دنیا میں سینکڑوں قومیں آئیں، اٹھیں، گریں اور فنا ہو گئیں۔ کیونکہ ان کا کوئی مستقل مستقر دوامی مرکز اور ناقابل تبدیلی نصب العین نہ تھا۔

اسلام آیا، اور بڑی شان سے آیا۔ بڑھا اور پھیلا۔ پھیل رہا ہے۔ اور ابد الآباد تک پھیلتا رہیگا۔ کیونکہ اس کا مرکز مستقل شریعت مویدہ اور سرچشمہ ازلی و ابدی ہے۔ وہ سرچشمہ کون ہے۔ **توحید** خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ

سجود نیست ناہستی است آخر بر جبین من،

چساں سر تا بہم از حکم خمیدن دوش مردورم،

جس قوم میں ایثار ہے، قربانی ہے، وہ کبھی فنا نہ ہو گی۔ اسلام ایثار ہے۔ قربانی ہے اس لئے ہمیشہ زندہ برقرار اور بڑھتا رہے گا۔ قوموں کے عروج و زوال کا فلسفہ کیا ہے:

۵ نتیجہ ایک ہی ہے سارے انسانی افسانوں کا رہی ہے داستانوں میں یہی ایک لسّان باقی
کہ آغاز جلالِ قوم ہے اخلاص و آزادی۔ رہیں ایثار و قربانی سے قومیں کامران باقی
بڑھی معدومیِ ایثار سے جب دولتِ شخصی۔ مریں پھر چند بے عیاشانہ بزم آرئیاں باقی
مٹے پھر اپنی نوبت میں وفورِ عیش و عشرت سے۔ نہ کلدانی نہ رومانی نہ ہیں ساسانیاں باقی
یہی چکر رہا جاری، ترقی و تنزل ہیں۔ اعادہ ہے اسی نکتہ کا تاریخِ جہاں باقی

پر لے اسلام ہیں معنی ترے ایثار و قربانی
رہیگی تیرے حصہ میں حیاتِ جاوداں باقی

نکاتِ رُوحانی

انسانی سیرت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ انسان ہیں جو پہاڑ کی طرح عظیم الشان، اور اپنی جگہ پر ایسے قایم ہیں۔ کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کے عزم اور استقلال میں لغزش پیدا نہیں کرسکتی، دوسرے وہ ہیں۔ جو ایک بلند اور تناور درخت کی طرح ایک خاص شان رکھتے ہیں لیکن آندھی اور طوفان کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ تیسرے ان پروں کی طرح ہیں جن میں ہوا جب چاہے، اور جس طرف چاہے، اڑا کرلے جاتی ہے +

تیری فیاضی اور اولوالعزمی کا یہی تقاضا ہے کہ تو اپنے ان احسانات کو جو تو نے دوسروں پر کئے ہیں۔ اپنے حافظہ کی تختی سے مٹا دے اور کبھی یہ فقرہ زبان پر نہ آئے کہ میں نے تمہارے لئے یہ کام کیا ہے۔ نہ کبھی اس کام کو اپنی ذات کیطرف منسوب کیا چاہئے +

اسلام اور بے تعصبی

ایک خالق عالم رب العلمین کا یقین کرنا فطرت انسانی کا مقتضا ہے اور یہی اسلام کی بنیاد ہے ہر سچے ہادی کی عظمت ہمیشہ ہادیان مابعد نے قایم رکھی۔ اور اس طرح مذہب کیساتھ بے تعصبی بنیاد گویا شروع ہوئی عرب اور عراق عرب کے تمام پیشوایان مذہب کا سلسلہ اس طرح چلا۔ کہ متاخرین نے متقدمین کی تصدیق اور بے تعصبی کا سلسلہ امور مذہبی میں شعار اسلام قرار پایا۔ نبی آخرالزمان صلعم نے بے تعصبی کا درجہ اور بڑھا دیا۔ اور مذاہب نامعلوم کے ہادیوں اور ہدایت ناموں کو بھی جہاں تک وہ اصول خداشناسی سے الگ نہ تھے۔ واجب التعظیم قرار دیا۔ پھر صحابہ نبی صلعم اور ان کے جانشینوں نے تمام دنیا کی اچھی باتوں کی تقلید۔ نہایت بے تکلفی سے کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسلام اور بے تعصبی الفاظ مترادف ہو گئے۔ وہ مسلمان نہ تھا۔ جسے غیر قوموں کی اچھی باتوں کے سیکھنے میں قوم رنگ یا مذہب کا خیال ہوتا۔ اور یہی راز مسلمانوں کی اس کامیابی کا ہے۔ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

بے تعصبی جو شروع میں باعث عروج تھی۔ اخیر میں باعث زوال ہو گئی۔ مفتوحہ قوموں کی وہ باتیں جو خلاف اسلام نہ تھیں۔ ان کا اختیار کرنا تو ترقی کا باعث ہوا تھا

لیکن جب نیک و بد کا امتیاز کئے بغیر تقلید شروع ہوئی۔ تو یہ تقلید زوال و نکبت کا سبب ہوگئی۔

پہلا دور اس زوال کا عیسائیوں کی تقلید ہے۔ دوسرا دور فلاسفہ یونان کی تقلید ہے۔ تیسرا دور حکمائے ہند کی افعال و اقوال کی تقلید ہے۔ تقلید بُری نہ تھی۔ یہ تو ترقی کا زینہ تھی۔ برائی کا باعث بے تعصبی ہرگز نہ تھی۔ بلکہ بے تعصبی کا استعمال بیجا باعث زوال تھا۔ خلاصہ یہ کہ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ پر عمل کرتے ہوئے بے تعصبی کا اظہار مسلمانوں کی ترقی کا سبب تھا۔ اور بلا امتیاز نیک و بد اظہار بے تعصبی زوال کا سبب ہوگیا۔

نو مسلم عیسائیوں کی صحبت نے تمام مسلمانوں کو فلک پیر، دورِ فلاک، اور گردشِ آسمان کا قائل بنایا۔ بڑے بڑے علما کی تصانیف میں یہ الفاظ خلاف عقاید اسلام نظر آتے ہیں۔ ہندوؤں کی اثر صحبت نے اوہام پرستی کا دلدادہ مسلمانان ہند کو بنا دیا۔

ترکوں نے تمام دنیا پر حکومت کی لیکن تمام دنیا کے عیوب سیکھ کر یثرب و بطحا کے باشندوں کے پاک خیالات بھی خراب کئے۔ اور بالآخر اسی بے تعصبی کا اب یہ ثمرہ ملا کہ دنیا میں سب کیلئے جگہ نظر آتی ہے۔ مگر مسلمانوں کے لئے کوئی جگہ خالی نظر نہیں آتی۔

آجکل تعصب ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔ بے تعصبی عروج کا باعث ہوئی تھی۔ اور بے تعصبی ہی زوال کا بھی باعث ہوئی۔ اب سخت ضرورت ہے۔ کہ پھر بے تعصبی سے کام

کیا جائے۔ اور ترقی کی منزلیں طے کی جائیں +

ہم کو چاہیئے۔ کہ غیر قوموں کی تمام اچھی باتیں اختیار کریں۔ مگر نہ اس طرح کہ گل مراد کے ساتھ خار بھی دامن بھر لیں۔ ہمارے اخلاق بہت گرے ہوئے ہیں۔ اخلاق کی باتیں اس وقت غیر قوموں سے ہمیں سیکھنی چاہئیں۔ مگر ان کے وہ اخلاق جو خلاف مذہب اسلام ہوں کسی طرح اختیار نہ کرنا چاہیئے۔ کہ وہ تمدن اسلامی کے بالکل منافی ہیں۔ گو دور سے وہ آب حیات معلوم ہوتے ہیں۔ مگر فی الواقع گرم ریت کے ڈھیر ہیں۔

ہر شخص اپنے مذہب کو اچھا سمجھتا ہے۔ اور ہم کسی طرح غیر مذہب والوں کو اچھا نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن اچھا نہ سمجھنا اور نفرت کرنا دو جدا جدا باتیں ہیں۔

ایک شخص خدائے واحد کا قایل یا ہمارے نبی کی رسالت کا منکر ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ہم اس سے نفرت کریں صلحائے قدیم کا یہ مسلک نہ تھا۔ اگر ہوتا۔ تو اسلام ترقی نہ کرتا۔ بلکہ بجائے نفرت کے ہمیں اس کی حالت زار پر افسوس اور باقتضاء ہمدردی اس کی اصلاح حال کا فکر کرنا چاہیئے۔

اگر مبلغین اسلام اس عنوان سے اشاعت مذہب پر اس وقت کمر باندھتے۔ تو آج یہ صورت نمایاں نہ ہوتی۔ کہ برادران وطن مسلمانوں کو اپنے مذہب کی طرف بلاتے ہیں اور خلیج نفاق کی وسعت بڑھتی جاتی ہے۔

تمام بنی نوع انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں ایک کو دوسرے کے ساتھ لطف سے پیش آنا چاہیئے۔ حب قومی کا یہی مقتضا ہے۔ کہ مذہبی

اختلاف قومی اختلاف نہ پیدا ہونے دے۔ تعصب کی عینک کسی انسان کی نظر کو صاف نہیں رہنے دیتی۔ محبت سے محبت اور نفرت سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

خدا کے راستے میں

وہ کونسی مقدس قربانی ہے جو شیطانی حرص وہوس اور نفسانی خواہشوں کے مٹانے سے زیادہ مؤثر ہے۔

تعصّب

صرف جاہلیت اور خدائے برحق کی درگاہ سے دوری اختیار کرنے سے پیدا ہوتا ہے ورنہ جو کوئی خدائے قدوس کی قدرت کاملہ سے زیادہ آشنا ہوتا جاتا ہے۔ اور بنی نوع انسان کے ساتھ عفو و کرم سے پیش آتا ہے۔ خدا تعالےٰ کی مانند جو رحمٰن اور غفور ہے اس کی بلند بینی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے وہ افراد جو اللہ تعالیٰ کی انتہائے معرفت کے اندازسے فایدہ اٹھاتے ہیں۔ انہیں بھی کبھی یہ زیبا نہیں ہے۔ کہ وہ جاہلوں اور نادانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں۔

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر   توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یہاں تک کہ بت پرستوں کو بھی جو صمد کو صنم میں جلوہ گر دیکھتے ہیں۔ اور جانتے

ہیں۔ اور لامذہبوں کو بھی جو مطلقاً ہستی باری تعالیٰ سے منکر ہیں۔ خوار نہیں سمجھنا چاہیئے۔

اس میں راز مضمر ہے:-

اگر گویم زبان سوزد

نکات روحانی

پاکیزہ اور شریف دل جو خالق ذوالجلال سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ سورج کی طرح ہے۔ جو بلا امتیاز تمام اشیاء کو خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان اپنی روشنی سے مستفید کرتا ہے۔ ایسا دل زمین کی طرح ہے۔ جو جان ڈالنے کی خاصیت رکھتی ہے۔ ایسا دل شمع کی طرح ہے جس سے دوسرے چراغ روشن کیے جاتے ہیں۔ ایسا دل مٹی کی طرح ہے۔ جو گندی اور ناپاک چیزوں کو جذب کر لیتی ہے۔ اور اس کے معاوضہ میں انسان کو لطیف اور شیریں پھل دیتی ہے۔

اشاعتِ اسلام

الواعظ فی قلبِ کل مومن

زبان کو اپنے ملا دو دل سے ملا دو دل کو زبان سے اپنے

تو دیکھ لینا کہ پُر اثر ہو۔ زبان سے جو کچھ نکل رہا ہے

اشاعتِ اسلام کا خیال مسلمانوں کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ اور اب جوان میں بیداری ہوئی۔ تو حُریت یاد آئی، حریت اور اسلام دو چیزیں جُدا جدا نہیں ہیں۔ دونو ایک ہی چیز ہے اشاعت اسلام کے لئے یورپ اور امریکہ کا سفر کیا جاتا ہے۔ اور ہندوستان میں آریوں اور عیسائیوں کے خلاف وعظ کہے جاتے ہیں۔ حریت کے بقائے حصول کے لیے خلافت کے نام سے کمیٹیاں قایم ہوئی تہیں۔ لیکن منزل مقصود کی راہ صرف یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو پکے اور سچے مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔ جب تک ہم خود اسلام کے طریقے اختیار نہ کرینگے دوسرے لوگ اسلام کی طرف رغبت نہ کریں گے۔ اور نہ اسلام کی حریت دنیا میں ظاہر ہوگی۔ جب تک برکات اسلام ہم میں نمایاں نہ ہونگے۔ غیروں کا ہماری طرف مایل ہونا مشکل ہوگا۔ جب تک ہم احکام اسلام کے پیرو نہ ہوں گے۔ غلامی سے آزاد نہ ہوں گے احکام مذہب اسلام کتابوں میں ہیں۔ اور مسلمان گوروں میں ہیں۔ منبروں پر اور مجلسوں میں اسلام

کی نقالی سے کام نہیں چلتا۔ہم اپنے آپ کو پابندی احکام اسلام کا نمونہ بنائیں۔ تو البتہ لوگوں کو رغبت اسلام کی طرف ہوگی۔اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ علم دین بغیر عمل کے بیکار ہے قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں سے اشاعت اسلام میں جو نمایاں ترقیاں کیں۔ان میں ان کے ملفوظات سے زیادہ ان کے طرزِ عمل کو دخل تھا۔الفاظ تو محض کان اور دماغ پر اثر پڑتا ہے۔اور قلوب عالم باعمل کے اثر صحبت سے مسخر ہوتے ہیں ؛

ابھی دلوں میں جوش اور ولولے کچھ کچھ باقی ہیں۔اس لئے مجھے یہ لکھنے کی جرأت ہوئی۔ کہ جو لوگ اسلام کی زندگی قایم رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ احکام اسلام کی پابندی کریں۔قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کی تبعیت کریں۔اور دوسروں کو اپنی زبان سے کم اور اپنے عمل سے زاید تر تعلیم دیں۔جب قدیم مسلمان گھروں کے افراد مسلمانی صورتوں کے ساتھ مسلمانی عادات واخلاق میں دکھائی دینگے۔تو دوسروں کے لئے باعث ترغیب ہوں گے۔اور پھر خودبخود اغیار دایرۂ اسلام میں آتے جائیں گے۔اور یہ رونا نہ رہیگا۔ کہ فلاں جگہ آریوں نے مسلمانوں کو ہندو بنا لیا۔اور فلاں مسلمان کو عیسائیوں نے عیسائی کر لیا۔پروانے بلائے نہیں آتے۔شمع جلتی ہے۔تو اس کے گرد خودبخود آ کر جمع ہو جاتے ہیں۔احکام اسلام کی شمع ہم اپنے گھروں میں روشن کریں۔تو پھر پروانوں کی تلاش میں ہمیں جابجا چکر لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔بالخصوص ایسی حالت میں کہ ریلوں، تاروں، جہازوں اور اخباروں نے تمام عالم کو ایک شہر اور مختلف ممالک ایک شہر کے محلوں کے حکم میں داخل کر دکھایا ہے۔جب ہم اپنے اخلاق اور عادات کی وجہ سے مقتدائے عالم ہو جائینگے

اور ہم کو یقین ہے۔ کہ پابندی احکام اسلام سے ہم ضرور ایسے ہو جائیں گے۔
تو پھر ہم مقتدا بن کر آقا ہی کہلائیں گے۔ غلام نہ کہلائیں گے۔ اور جب تک ہمارے اخلاق
اور عادات غلامانہ رہیں گے۔ یہ مشکل ہے کہ ہم آزاد کیے جائیں۔
جنگ خندق میں حضرت سلمان فارسی کو آنحضرت نے ایرانیوں کے طریقہ پر مورچہ بندی
یا قلعہ بندی کرنے کا معلم ٹھہرایا تھا۔ یہ بھی مذہبی تعلیم ہے۔ کہ اپنی حفاظت کیلئے غیر قوموں
کے فنون جنگ اگر وہ کارآمد ہوں۔ ضرور حاصل کیے جائیں۔ اپنی حفاظت کرنا بھی مذہبًا فرض
ہے۔ اسی لیے عبادت اور سیاست کی ساتھ تعلیم اسلامی میں ہے۔ یورپ نے مسلمانوں
سے بہت سی باتیں سیکھیں۔ جو مسلمانوں سے نکل کر عیسائیوں کا شعار ٹھہریں۔
اپنی حالت کا درست کرنا بھی مذہبی شعار ہے۔ سیاست میں زیادہ تر دخل دینا مسلمانانِ
ہند کے حالات کے مناسب نہیں ہے۔ لیکن عقاید، عبادات، معاملات اور اخلاق میں تو
وہ اپنی حالت کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ اور ایسا کرنے کے بعد پھر وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔
قرآن مجید مسلمان پڑھیں۔ اور اس کے معنی تفسیر حدیث اور فقہ کی کتابوں میں سمجھیں۔
جب کوئی خطرہ دل میں پیدا ہو۔ تو دین کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ صحابہ رسولؐ کی طرح
سنت نبوی کی پیروی کریں۔ اور صحابہ کے زندگی کے حالات سیر اور حدیثوں کی کتابوں
میں دیکھیں۔ اور عمل کریں۔ تو خود بخود اسلام کی اشاعت ہو جائے گی۔ زبان سے کہنے
کی ضرورت نہ ہوگی۔ مسلمان دنیا میں اتنے ہیں۔ کہ ان کا طرز عمل زبان حال سے خود
کہیگا۔ اس کے مقابلہ میں زبان مقال کی احتیاج نہ ہوگی۔

پہلے اپنے گھر میں چراغ جلانا چاہیئے۔ مسلمانان ہند کو پکا سچا و دیندار یعنی متبع سنت نبوی بنانا بہترین صورت اشاعت اسلام کی ہے۔ اور یہ کوشش کی جائے۔ کہ وہ ایسے سچے اور پکے دیندار ہو جائیں۔ کہ ان کی اثر صحبت سے ان کے ہندو ہمسائے بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوں۔ تو یہ سلف صالحین کی کوششوں کا نمونہ ہوگا۔ اس موقعہ پر پیغمبر خداؐ کے زمانہ کا یہ واقعہ قابل تذکرہ ہے۔ کہ آنحضرت نے کفار مکہ سے صلح کی۔ کہ مدینہ سے جو مسلمان مرتد ہو کر مکہ چلا جائے۔ اس پر مسلمانان مدینہ کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور مکہ سے جو کافر مسلمان ہو کر مدینہ چلا آئے۔ اسے کفار مدینہ سے واپس لیجا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ صلح ناگوار ہوئی۔ تو آنحضرت نے جو فرمایا۔ اس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ ہم میں سے جو مرتد ہو کر مکہ جائے۔ وہ ہمارے کس کام کا ہے۔ اور ہم میں جو سچا مسلمان ہے۔ وہ کفار کی صحبت میں جائیگا۔ تو کفار کو کیا نفع ہوگا۔ اس صلح ایک دور جو ترقی اسلام کا شروع ہوا وہ تاریخ اسلام میں پڑھیئے۔ اور یہ سبق حاصل کیجیئے۔ کہ سچے اسلام سے مسلمانوں کی ترقی ہو سکتی ہے۔ نام کے مسلمانوں سے رونق اسلام نہیں ہوتی۔ نتیجہ تحریر یہ ہے۔ کہ غیروں کے مسلمان بنانے سے موجودہ مسلمانوں کو پکا مسلمان بنانا اولیٰ تر ہے۔ اور مسلمانوں کو ارتداد سے روکنے کے ساتھ ہی ان کو سچا مسلمان بنانے کی بھی کوشش کرنا ضرور ہے۔

قومی خدمت

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ وَاَحَبُّھُمْ اِلَی اللّٰہِ اَنْفَعُھُمْ لِعِیَالِہٖ

رواہ الطبرانی:

مخلوق اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب وہی ہے

جو اس کے عیال کو سب سے زیادہ فایدہ پہنچائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے نفع رسانی پر اپنے آپ کو وقف کر دینا جمعیت خاطر کی

خاطر گوشہ نشینی اختیار کر لینے سے بدرجہا بہتر و افضل ہے۔

اَفْضَلُ الْاِشْتِغَالِ خِدْمَتُ النَّاسِ

خداوند کریم کی عبادت کے بعد انسان کے لیے کوئی فعل اس سے زیادہ اہم اور مستحسن

نہیں۔ کہ وہ کسی نہ کسی طریق سے اپنے ہم جنسوں کے کام آئے۔ چونکہ انسان اشرف المخلوقات

ہے۔ اس لیے اس کی انسانیت۔ شرافت۔ کا تقاضا بھی یہی ہونا چاہیے۔ کہ خالق کی بے زبان

مخلوق کے مقابلہ میں وہ ان ملکوتی صفات کا مظہر ہو۔ جو انسان اور حیوان میں امتیاز کی

حد فاصل قایم کرتی ہیں خالق ذوالجلال کی اعلیٰ اور برگزیدہ مخلوق ہونے کی حیثیت

سے وہ انسان، انسان ہی نہیں جس کے افعال سے خدا کی شانِ رحیمی کی جھلک نظر نہ آئے۔ خواہ وہ کیسی ہی خفیف ہو۔ انبیاؑ اور اولیائے کرامؒ کی مقدس ہستیاں اس بہت بڑے نور کا ایک جزو ہیں۔ جس کی حقیقت ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ جب رسول کریم صلعم نے عرب کے فاسق و فاجر اور گمراہ باشندوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرمائی۔ تو بجائے شکرگذار ہونے کے وہ حضورؐ کے خون کے پیاسے ہوگئے۔ دشمنوں نے آپ کے رستہ میں کانٹے بچھائے۔ آپ کو اذیت دی۔ آپ کا مضحکہ اڑایا۔ غرضیکہ اپنی طرف سے ایذارسانی کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن آپ چونکہ خدا کے پیغمبر تھے۔ اور دنیا کے مفاسد کی اصلاح کیلئے مبعوث کئے گئے تھے۔ اس لئے ان تمام ناقابلِ قیاس مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود جو آپ کو اپنی قوم کے ظالمانہ سلوک کی وجہ سے برداشت کرنی پڑیں۔ آپ کی شانِ رحیمی میں ذرا فرق نہ آیا۔ اور ہر وقت یہی مقصد پیشِ نظر تھا۔ کہ اہلِ عرب کا دین اور دنیا کسی طرح سے درست ہو جائے۔ یہ آپ کی شانِ رحیمی کا صدقہ تھا۔ کہ عرب کی سرزمین روحانی اور اخلاقی جرائم کی متعدی اور خوفناک وبا سے پاک و صاف ہوگئی۔ اور وہی عرب جن کا تمدن معاشرت اور سیرت انسانیت کیلئے باعث ننگ و عار تھا۔ ایسی تہذیب اور شائستگی کے علمبردار ہوگئے۔ جس کے نقوش اہلِ بینش کو دنیا کے ہر گوشہ میں اب بھی درخشاں اور تاباں نظر آتے ہیں۔ ہاں یہ وہی عرب تھے۔ جو عرب کے امیؐ یتیم کی نورانی تعلیم کے صدقہ میں شتر بانی سے جہاں بانی کے درجہ تک پہنچ گئے۔ اور جنہوں نے اپنے علم و عمل سے یورپ و ایشیا اور افریقہ میں اپنی قوت و شوکت اور سطوت و عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

یہ تھی وہ عظیم الشان خدمت جو حضور اقدسؐ نے نہ صرف اپنی قوم بلکہ کل بنی نوع انسان کے لیے انجام دی۔ اور یہ تھا اس خدمت کا مہتم بالشان نتیجہ جس کے حصول پر نہ صرف مسلمانانِ عالم بلکہ اولاد آدمؑ کی حقیقی کامیابی اور ترقی کا انحصار ہے۔

حضور خواجہ دو جہاں صلعم کی مقدس زندگی کے حالات انسانی خدمت کی ایسی روح افزا اور بصیرت افروز تفسیر ہیں۔ کہ جن سے ہماری قومی زندگی میں ایک قلیل عرصہ کے اندر حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے طبقہ عوام بالخصوص امراء کی سیرت اخلاقی پہلو سے اس قدر مسخ ہو چکی ہے۔ کہ بہت کم مسلمان اخلاقِ نبویؐ کے معیار میں پورا اترنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

"سیرت النبیؐ" مؤلفہ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی مرحوم میں اخلاق نبویؐ کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

مُداومتِ عمل:۔ حسن خلق۔ حسن معاملہ، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار، مہمان نوازی، گداگری اور سوال سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، تحفے وصول کرنا، تحفے دینا، عدم قبول، احسان، عدم تشدد، تقشف (موٹے کپڑے پہننا)

ناپسند تھا:۔ عیب جوئی۔ اور مداحی کی ناپسندیدگی، سادگی اور بے تکلفی امارت پسندی سے اجتناب۔ مساوات، تواضع، تعظیم اور بیجا مدح کی ناپسندیدگی۔ شرم و حیا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنا، دوسروں کے کام کر دینا، عزم و استقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفاء عہد، زہد و قناعت، عفو و حلم، دشمنوں سے عفو و درگذر، اور

حسن سلوک، کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، غریبوں کے ساتھ محبت، وشفقت، دشمنانِ جان سے عفو و درگذر، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر، بچوں پر شفقت، غلاموں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحم و محبت عام، رقیق القلبی، عیادت، و تعزیت (ماتم پرسی) لطف طبع، اولاد سے محبت،

اگر اخلاق نبوی کے ان تمام پہلوؤں پر غور کرو۔ تو تمہیں تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ یہ سب دراصل انسانی خدمت اور قربانی کی مختلف شکلیں ہیں۔ رسول کریمؐ کی سیرت ایک ایسا صاف اور روشن آئینہ ہے جس پر خود غرضی، نفس پرستی، جاہ طلبی اور شہرت پسندی کا داغ ایک باریک سے باریک ذرہ کی شکل میں بھی نہیں دکھائی دیتا۔ بنی نوع انسان کی اس خدمت کا بجز اس کے اور کوئی مقصود نہ تھا۔

کہ مخلوق اپنے خالق کو پہچانے:-

اور اس سخت عذاب سے بچے جو گناہوں اور بدیوں کا لازمی نتیجہ ہے! انسانی خدمت کا یہ وہ اعلیٰ اور افضل ترین مقام ہے۔ جو خالق اکبر نے صرف اپنے برگزیدہ بندوں کیلئے مخصوص کر رکھا ہے۔ یہ وہ امانت ہے۔ کہ ملائکہ کے دوش بھی اس بار کے متحمل نہ ہوسکے مسلمانوں میں جو لوگ ملک اور ملت کی حقیقی خدمت کے مدعی ہیں۔ اور جو اس خدمت کا بار اٹھانے کے لئے اس قدر بے چین اور بے تاب نظر آتے ہیں۔ ان میں زیادہ تعداد ایسے حضرات کی ہے۔ جو ملک اور قوم کی خدمت پر اپنے نفس کی خدمت کو مقدم سمجھتے ہیں۔ وہ نہایت عیاری اور دیدہ دلیری سے خدمت کا بار اٹھانے کی مستعدی

اور سرگرمی ظاہر کرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے۔ تو امانت میں دیدہ دانستہ خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کو خوش کرنے کیلئے ان لوگوں کی آنکھ میں خاک جھونکتے ہیں جنہیں وہ پہلے بے غرضانہ خدمت کا سبز باغ دکھاتے ہیں۔ ایسے عیاروں اور دیدہ دلیروں کا سب سے بڑا حربہ ان کی لسانی، لفاظی، اور دولت و ثروت ہے۔ (مال کی کثرت) حالانکہ خالق کی طرف سے دولت و ثروت کا عطیہ ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ شہرت، وجاہت (خوبصورتی، عزت، چہرہ) کے ان بھوکوں کی سب سے بڑی ہوس یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ کسی طرح میونسپل کمیٹی یا سرکاری کونسل کی کرسی پر جا ڈٹیں، اور اپنے حریفوں کو بتا دیں، کہ کام کرنے والے اس طرح کام کرتے ہیں۔ نہ کرسی اور صرف کرسی ہی ان کا مقصود ہے۔ یہی ان کی ابتدا ہے۔ اور یہی ان کی انتہا۔ نفس کے ان ذلیل غلاموں کو ان سنگین ذمہ داریوں سے کیا سروکار، جو اس کرسی سے وابستہ ہیں۔

خدا کا گھر نہ رکھا دل کو بنگلوں میں مکیں ہو کر
بھلایا عرش کو اس قوم نے کرسی نشین ہو کر

کوئی ان بھلے لوگوں سے پوچھے، کہ کیا انتخاب کے موقعہ پر ہی آپ کی رگوں میں خدمت کا جوش پیدا ہوا کرتا ہے؟ انتخاب سے پہلے آپ کیوں خاموش تھے، اور کیوں اپنی بدنصیب اور بھولی بھالی قوم کی خدمت سے غافل رہے۔ آپ اس ناگہانی بیداری، اور قومی خدمت کے جنون کے کیا معنی، مگر پوچھے کون، ووٹ دینے والے خود جاہل اور ناخواندہ ہیں! نہیں اتنا بھی معلوم نہیں۔ کہ ان کا ووٹ ایک طلسم ہے۔ جو بڑے بڑے

گردن افرازوں کو گھٹنوں کے بل جھکانے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ اس طلسم کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اس لئے ووٹ دینے والوں پر دولت اور رسوخ کا جادو آسانی سے چل سکتا ہے۔ جہاں عیاری اور جہالت کا یہ عالم ہو۔ وہاں انسانی یا قومی خدمت بے معنی الفاظ ہیں۔ کس قدر تاسّف (افسوس کرنا) اور عبرت کا مقام ہے۔ کہ یہ تمام داؤ پیچ اس چند روزہ زندگی کے لئے جائز اور واجب سمجھے جاتے ہیں۔ جس کی نسبت خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے:۔ المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا والبٰقیات الصالحات خیرٌ عند ربک ثواباً وخیرٌ املاً۔

(ترجمہ) اے پیغمبر مال اور اولاد دنیا کی زندگی کے چند روزہ بناؤ سنگھار ہیں۔ اور اعمال نیک (جن کا اثر دیر تک باقی رہے) تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور توقع آیندہ کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی موجود ہے۔ جو ملک اور ملّت کی خدمت کو اپنا جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ اور قید و بند کیلئے تیار رہتے ہیں۔ وہ اپنے ایثار اور قوت تحمل کی وجہ سے قوم کے محبوب سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی سیرت اخلاقِ نبویؐ کے معیار سے ناقص ہے۔ اس لئے ان کی خدماتِ مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتیں۔ قومی لیڈروں میں ایک کثیر تعداد ایسے اصحاب کی ہے۔ جو خراجِ تحسین اور ارادت و عقیدت کی نذر وصول کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ وہ منہ سے یہ تو نہیں کہتے۔ کہ ہمارے جلوس نکالے جاویں۔ ہماری خدمات کے ترانے گائے جائیں۔ اور ہم پر پھول برسائے جائیں۔ لیکن وہ یہ بھی گوارا نہیں

کر سکتے۔ کہ اگر عوام ان کی عزت افزائی سے پہلوتہی کریں۔ تو اپنی خدمت کے سلسلہ کو مقیم خلوص اور غیر متزلزل استقلال سے جاری رکھیں۔ حالانکہ قوم یا مذہب کی سچی خدمت اور خیر خواہی کا اس قسم کے داد وستد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

غور سے دیکھا جائے۔ تو ایسی خدمت ایک اعلیٰ ثبوت ہے۔ محبت یا عشق کا جو ہم کسی وجود یا ذات کے متعلق ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری خدمت صرف اسی صورت میں بے اور بے غرضانہ قرار دی جا سکتی ہے۔ کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے سوا ہمارا کوئی اور مقصد نہ ہو۔ پھر یہ نتائج بھی صرف اسی صورت میں ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ کہ ہم اپنی ذاتی خواہش اور نفسانی خواہشوں کو اپنے نصب العین پر قربان کر دیں۔ اگر زندگی کا راز موت میں، اور بقا کا فنا میں پوشیدہ ہے۔ تو ہمیں زندگی کی روح پیدا کرنے کیلئے اپنی ہستی کو قربان کرنا پڑے گا۔ قدرت کے محیر العقول اور عظیم الشان نظام میں بھی ہمیں فنا اور بقا کی بظاہر متضاد (آپس میں مخالفت کرنیوالا) کیفیتیں لازم و ملزوم نظر آتی ہیں۔ جو لوگ قدرت کی ظاہر کی ہوئی حقیقت کا علم رکھنے کے باوجود اپنی ہستی کو افضل اور مقدم سمجھتے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر اپنے نفس کو دھوکا دیتے ہیں۔ کاش وہ اپنے انجام پر غور کریں۔ اس سے زیادہ ذلیل و بدتر حرکت اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ قومی خدمت کی آڑ میں اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کو پہلے مقدم اور اہم خیال کیا جائے۔ ایسی خصلت کے لوگ گھن کے اس کیڑے کے مطابق ہیں جو اندر ہی اندر لکڑی کو کھاتا رہتا ہے۔ عوام کا فرض ہے۔ کہ وہ اس دینِ

اسلام

کے نشتر کو ایسے موذی کیڑے سے بچائے رکھیں ہمیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔ دوستی اور خدمت کا دعوے کرنے والے تو بہت ہیں لیکن دوستی اور خدمت کا حق ادا کرنے والوں کی تعداد نہایت قلیل ہوتی ہے۔ فرزندان توحید اگر ہمسایہ قوم پر غالب رہنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ تو انہیں خدمت کا وہ اصول اور معیار اختیار کرنا پڑے گا۔ جو

ہادی برحق رسول اللہ صلعم

ان کے لیے قائم کر چکے ہیں لیکن یہ ہماری بدبختی ہے۔ کہ ہم غیر مسلم اقوام کے دلوں کو مسخر کرنا تو درکنار خود اپنی جمعیت کا پراگندہ شیرازہ مربوط اور مستحکم نہیں کر سکتے۔ محض اس لیے کہ ہم اس بے ریا خدمت اور محنت سے جی چراتے ہیں جس کا عملی سبق ہم کو تیرہ سو سال سے مل چکا ہے۔ جب ہم اپنی ہی جماعت کو دھوکا دیں۔ اور اپنی نیتوں کو صاف نہ رکھیں۔ تو کیا ہمارے کاموں میں خیر و برکت ہو سکتی ہے۔ خدمت کا اقرار اور اعلان ایک معاہدہ ہے۔ جو دنیا کے سامنے بہ بانگ دہل پیش کیا جاتا ہے۔ کیا اس معاہدہ کی خلاف ورزی ایک سنگین اخلاقی جرم نہیں؟ کیا خدمت کا اعلان کرنے سے پہلے قومی خادم کو یہ نہیں سوچ لینا چاہیئے۔ کہ آیا وہ اس بوجھ کو آسانی سے اٹھا سکیگا۔ اگر اس میں اس بوجھ کے اٹھانے کی ہمت نہیں۔ اور طاقت نہیں۔ تو کیا یہ اس کا اخلاقی فرض نہیں۔ کہ وہ اپنی خدمت سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ آؤ آج سے عہد کریں۔ کہ ہم جس کسی خدمت کو خواہ وہ قومی ہو یا مذہبی۔ اپنے ذمہ لیں۔ تو اسے دیانت اور خلوص

سے انجام دیں۔ کیونکہ قوم اور مذہب کو دھوکا دینا اپنے لیے جہنم میں ٹھکانا بنانا ہے۔
جس کے عذاب سے خداوند کریم تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

آمین۔ + ثم آمین

غزل

وقف ہے اے دل تو اپنی ہی مسرت کیلئے | زندگی تجھ کو ملی اوروں کی خدمت کے لئے
زندگی اک خواب ہے اس خواب سے بیدار ہو | راہ حق میں جان دینے کے لئے تیار ہو
رہنمائے زندگی ہے عشق اب تیرے لئے | منتہائے زندگی ہے عشق اب تیرے لئے
دل کو اپنے عشق کے شعلے سے کرلے تو گداز | تا تیری جاں میں ہوں پیدا قوتِ عجز و نیاز
خود شناسی کا مرقع زندگانی ہو تیری | روح ایثار و عمل سے آسمانی ہو تیری
سب کی خدمت کر اسی میں خدمت محبوب ہے | سب سے الفت کر جو دل میں الفت محبوب ہے

کام وہ کر جس سے ہو دل کو تیرے تجھ پہ ناز
مرتعش ہو تیری نے سے خود بخود الفت کا ساز

بشیر احمد

مسلمانوں کی تباہی اور اس کا راز

تـرجو النجاۃ ولـم تسلک مسالکھا
اِنَّ السَّفِینَۃَ لَا تجرِی عَلَی الیَبَس

تم نجات کی امید رکھتے ہو۔ مگر نجات کا جو راستہ ہے اس کو اختیار ہی نہیں کیا۔ اس خشکی پر کبھی کشتی نہیں چل سکتی،

یہ گلشنِ اسلام بھی کبھی عروس بہار کا جلوۂ نازبنا ہوا تھا۔ مدینہ کے کملی والے کے غلامان غلام دنیا میں تاج بخش و تاج ستاں تھے۔ شہرت ان کے قدم چومتی تھی۔ اقبال اُن کے کفش برداروں میں تھا، دولت ان کی زرخرید کنیز تھی، لوگ شہر کی گلیوں میں خیرات کا روپیہ لیکر پھرتے تھے، لیکن انہیں کوئی مسکین مستحق زکوٰۃ نہ ملتا تھا امت مرحوم کے ہر ایک فرد اہل نصاب تھا۔ تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کے غیر مرئی دستِ قدرت نے مسلمانوں کا سفینۂ حشمت بحر ادبار کی متلاطم لہروں میں غرق کر دیا۔ اقبال گیا۔ حریت اور دولت مٹ گئی۔ عزت نے ساتھ چھوڑ دیا۔ محلوں کے رہنے والے شکستہ دل خیرات کیلئے ترسنے لگے۔ جن کا ہاتھ سحاب کرم بن کر دنیا پر زر و سیم کی بارش کرتا تھا۔ وہ روٹی کو محتاج ہو گئے۔ زمانہ میں جن کی کشور گیریوں کا شہرہ تھا۔ نیرنگیٔ قسمت نے

ان کو محکوم بنا دیا۔ جو دنیا میں غلاموں کو تاجدار بنانے آئے تھے۔ خود دوسروں کے غلام بن گئے۔ ہندوستان کے ایک مشہور قومی شاعر کے الفاظ ہیں۔ ؎

تم جہاں جاؤ گے اسلام کو پاؤ گے ذلیل
اس میں تخصیصِ عراق و عجم و شام نہیں

اسلام کے عروج و زوال کا کتنا اندوہناک مرقع ہے۔ تاریخ عالم کے صفحات پر ایسی مثالیں بہت کم نظر آئیں گی۔ جن مسلمانوں نے دنیا کو شاہراہ تمدن دکھائی۔ آج ان کی امتیازی خصوصیت جہالت ہے۔ جو مسلمان دولت کی آغوش میں کھیلتے تھے۔ آج ان کے اسلام کی سب سے بڑی نشانی مفلسی ہے۔ وہ اسلام جو مسیحیت کی طرح یہ تعلیم نہیں دیتا۔ کہ ہم آسمانی باپ آج کی روٹی ہم کو دے۔ بلکہ اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ کا زریں سبق پڑھاتا ہے۔ اور اپنے پرستاروں سے کہتا ہے۔ کہ تم خداوند کریم سے صرف یہ استمداد طلب کرو۔ کہ وہ ہمیں راستہ دکھا دے۔ اپنی روٹی ہم خود حاصل کریں گے۔ آج اسی کے نام لیوا بیکاری اور خیرات کے ٹکڑے کھانے پر ناز کرتے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

کبھی آپ نے اس پر بھی غور کیا۔ کہ مسلمانوں کی عالمگیر نکبت کا راز کیا ہے مسلمان، آج حقیر و ذلیل کیوں ہیں۔ ٹھنڈے دل سے تھوڑی دیر غور کیجئے۔ آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ اپنی مذہبی تعلیمات سے مسلمان منحرف ہو گئے۔ ان کو یہ خبر نہیں کہ ہم زبان سے ہوا خواہی اسلام کا دم بھرتے ہیں۔ ہم ناموس اسلام کیلئے اپنی جانیں بھی۔

قربان کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ لیکن در اصل ہم اسلام کے پیچھے پرستار نہیں۔ بلکہ ہ
دنیا میں ننگ اسلام ہیں۔ اور ہم نے اپنے مذہب کو تقویم پارینہ سمجھ کر پس پشت ڈال دیا ہے۔

اسلام عام مذاہب کی سطح سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کی شریعت صرف حرام حلال
کے مسائل تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ مدنیت اور معاشرت کا ایک مکمل نظام ہے۔ جس طرح مادی
حکومت کے ضابطہ تعزیرات میں ایک ایک فعل کی جو نظام معاشرت میں خلل انداز ہو۔ تشریح کی
گئی ہے۔ اور اس کے مرتکب کی سزا بتائی گئی ہے۔ اسی طرح سے اسلام کے روحانی ضابطۂ شریعت
نے زندگی کے تمام شعبہ حیات پر نظر ڈالی ہے۔ مسلمانوں کو ہر ایک بات کے لئے واضح دلائحۂ عمل بتا دیا ہے
فضیلت اسلام کی ایک سب سے بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ دنیا خواہ کتنے ہی پلٹے کھائے۔ سائنس اور روشن
خیالیوں کا لاکھ دور دورہ ہو۔ لیکن اسلام کے وہ قوانین جو اس کے شارع اعظمؐ نے تیرہ سو برس
پیشتر مدون کئے تھے۔ ہمیشہ اپنی اپنی جگہ پر مستحکم اور ناقابل تنسیخ رہیں گے۔ میدان ترقی کی دوڑ میں
زمانہ ہمیشہ اسلام کو اپنے دوش بدوش پائیگا۔ اگر مسلمان صرف قرآن و حدیث پر عمل شروع کر دیں۔
تو انہیں کسی دوسرے مصلح کی ضرورت نہ رہیگی۔ اور ان کی موجودہ ذلت چند روز میں عزت سے بدل
سکتی ہے۔ مسلمان اسی لئے اور صرف اسی لئے تباہ ہیں۔ کہ وہ تعلیمات اسلامی پر کاربند ہونا تو درکنار
اس کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اسلام نے اس چھوٹے سے جملے میں کہ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ
کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ (فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔) تمام دنیا کا فلسفہ
کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ قوموں کی تباہی کا راز ان کا غیر معمولی اسراف ہے۔ اور پھر وہ اسراف
جو لنگوٹی میں پھاگ کھیلنے کا مصداق ہو۔ ہلاکت کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اسلام نے کس قدر تعریف

پیرایہ میں مسلمانوں کو فضول خرچی اور اسراف سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ لیکن آج کتنے مسلمان ہیں۔ جو اس پیاری تعلیم پر کاربند ہیں۔ اس کے برعکس مسلمان اسراف ہی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ اور الفاظ شریعت کی رو میں وہ سرکار محمدیؐ کے غلام نہیں بلکہ برضاء رغبت شیاطین کے بھائی بنتے ہیں مساویانہ حیثیت رکھنے والے ایک ہندو اور ایک مسلمان کی مثال لیجئے۔ فرض کیجئے! کہ ہندو بھی پچاس روپیہ کا ملازم ہے اور مسلمان بھی۔ لیکن آپ کو دونوں کی حالتوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ ایک ہندو اس محدود آمدنی میں اپنے کنبہ کو بھی پالے گا اور وقت بے وقت اس کے پاس دس بیس روپے بھی پڑے رہیں گے۔ لیکن ایک مسلمان اس آمدنی میں کنبہ تو درکنار اپنی اکیلی ذات کی بھی کفایت نہیں کرسکتا۔ اس کی بوٹی بوٹی قرض میں بندھی ہوگی۔ اس کے پاس اگر صبح کھانے کو ہے۔ تو رات کا خدا مالک ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ ہندو مخالف اسلام ہونے کے باوجود بھی یہ راز سمجھتا ہے۔ کہ اسراف اور فضول خرچی شیطانی حرکات ہیں لیکن ایک مسلمان پیرو اسلام ہونے کے باوجود اس سچی فلسفیانہ تعلیم کو (خاکم بدہن) حقارت کی ٹھوکر دل سے ٹھکرا دیتا ہے صرف یہی نہیں۔ کہ پچاس روپے آمدنی رکھنے والا مسلمان اپنے مساویانہ حیثیت رکھنے والے ہندو سے اچھا کھاتا ہے۔ اچھا پہنتا ہے۔ بلکہ اس کی زندگی کے ایک ایک شعبہ سے فضول خرچی ٹپکتی ہے مسلمان کی شادی ہو یا موت اسراف کا پہلو غالب ہوگا۔ دوست نما دشمن احباب کی واہ واہ حاصل کرنے کیلئے جھوٹے نام و نمود کیلئے وہ شادی بیاہ کے جاہلانہ اور غیر ضروری رسوم میں روپیہ دل کھول کر خرچ کریں گے۔ حالانکہ شریعت اسلامی نے شادی کو جس قدر آسان بنایا ہے۔ اس کی مثال دوسرے مذاہب میں مشکل دستیاب ہوگی محض اس خیال سے

کہ دنیا میں جھوٹی عارضی عزت قایم رہے۔ ایک پیسہ کی جگہہ چار پیسے خرچ کر کے عاقبت کی ابدی ذلت خریدی جاتی ہے۔ اس طرح موت کے جاہلانہ مراسم میں فضول خرچی کر کے نہ جانے کتنے مسلمان خاندانی زندہ درگور ہو جاتے ہیں۔ لاش کے اوپر قیمتی دو شالے ڈالے جاتے ہیں۔ تیجے، دسویں، بیسویں، چالیسویں کی نیازوں میں احباب کو پر تکلف کھانے کھلائے جاتے ہیں۔ حالانکہ مراسم تجہیز و تکفین زیادہ سے زیادہ صرف پندرہ بیس روپے میں بحسن وخوبی انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا۔ کہ مردے کو ایصال ثواب کیلئے قرض لے لیکر پر تکلف کھانے پکوائے جائیں۔ وہ تو صرف کلام مجید کی چند آیات اور درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب مردے کی روح کو بخشنے کا سبق پڑھاتا ہے۔ اگر خدا وسعت دے۔ تو راہ خدا میں چند غربا و مساکین کو کھلا دیا جائے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اپنی خانہ بربادی کر کے احباب کو پر تکلف کھانے کھلانا اور مردے کی روح کو ثواب پہنچانا ان میں کیا تعلق ہے۔

مسلمانوں کی تباہی کا سب سے بڑا ان کا اسراف ہے۔ سب سے پہلے انہیں اس دینی و دنیاوی لعنت کو رد کرنا چاہیئے۔ اس وقت چونکہ موضوع سخن دوسرا ہے۔ اس لئے اسراف سے بچنے کے طریقے بالتفصیل کسی دوسرے موقع پر بیان کروں گا۔

اسراف سے بچنے کے ساتھ ہی مسلمانوں کو محنت کے ذریعہ پیسہ پیدا کرنا چاہیئے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں بیکاری کی وبا عام ہو رہی ہے۔ ان کے دماغوں میں اب تک سر و سودائے سلطنت ہے۔ جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھتے ہیں۔ وہ اب بھی "پدرم سلطان بود" کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ وہ بالعموم کسی قسم کی ملازمت یا تجارت کو اپنے لئے باعث

ننگ خیال کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارے باپ دادا کی ناک کٹ جائے گی لیکن افسوس ہے۔ کہ اس معاملہ میں بھی وہ تعلیمات اسلامی کو نظرانداز کرتے ہیں۔ شریعت اسلامی کی رو سے رزق حلال پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ معیوب نہیں افسوس ہے۔ کہ ہمارے ناعاقبت اندیش یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اگر محنت سے پیسہ کمائیں۔ تو اس میں ہمارے جلیل القدر اسلاف کی ناک نہیں کٹتی۔ بلکہ ان کی ناک اونچی ہوتی ہے۔

ہمارے محترم بزرگوں کی ذلت تو دراصل اس میں ہے۔ کہ ہم ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں۔ تمام زندگی خیرات کے ٹکڑے تکتے رہیں۔ اگر کوئی نوجوان مالدار باپ کا بیٹا ہے تو بھی اس کا فرض کسب معاش ہے اسلام بیکار رہنا نہیں سکھاتا۔ بلکہ وہ انسان کو ہر جائز طریقے سے کسب معاش کی تعلیم دیتا ہے اس کے نزدیک روزی پیدا کرنے کا طریقہ بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔

ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے علی الصباح ایک نوجوان روزی کی تلاش میں نکلا صحابہ کرام نے جو حاضر خدمت تھے۔ عرض کیا۔ کاش دنیاوی امور میں منہمک ہونے کی بجائے یہ نوجوان اپنی زندگی خدمت دین میں صرف کرتا۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا:۔ لَا تَقُوْلُوا هٰذَا فَاِنَّهٗ اِنْ کَانَ یَسْعٰی عَلٰی نَفْسِهٖ لِیَکُفَّ عَنِ الْمَسْاَلَةِ وَیُغْنِیْهَا عَنِ النَّاسِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاِنْ کَانَ یَسْعٰی عَلٰی اَبَوَیْنِ ضَعِیْفَیْنِ اَوْ ذُرِّیَّةٍ ضِعَافٍ لِیُغْنِیَهُمْ وَیَکْفِیَهُمْ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِنَا

یعنی خبردار ایسا نہ کہو۔ اگر وہ اس لئے فکر معاش کرتا ہے۔ کہ غیروں کے آگے دست

سوال دراز کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور وہ کسی کا دست نگر نہ ہو۔ تو وہ خدمت دین کر رہا ہے۔ اور اگر وہ اپنے ضعیف والدین یا اہل و عیال کی کفالت کے لئے کسب معاش کرتا ہے۔ تو جب بھی وہ خدا کی راہ میں ہے۔

شعب الایمان میں بیہقی سے روایت ہے۔ کہ شارع اعظم اسلام نے فرائض مذہبی کے بعد طلب کسب حلال کو فرض قرار دیا ہے۔

اسلام فکر معاش کو امور مذہب میں کسی طرح خارج نہیں سمجھتا بلکہ وہ عبادات کے موقع پر روزی پیدا کرنے کا درس دیتا ہے۔ سورہ جمعہ کے دوسرے رکوع میں ہے۔ کہ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد اپنے مشاغل کیلئے زمین پر چاروں طرف پھیل جاؤ۔ اور اپنی روزی تلاش کرو۔ (اس کیساتھ میں) خداوندکریم کو برابر یاد بھی کرتے رہو۔ تاکہ تم مورد کرم رہو۔

اس طرح سورہ بقر کے پچیسویں رکوع میں حج کے سلسلہ میں خداوندکریم کا ارشاد ہوتا ہے۔ کہ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔

یعنی اگر سفر حج میں بھی روزی و رزق تلاش کیا جائے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسلام اپنے آغوش میں ناکارہ فرزندوں کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ وہ مقصد زیست یہی سمجھتا ہے۔ کہ انسان جائز ذرائع سے کسب معاش کرے۔ خداوندکریم کا فرمان ہے وَجَعَلْنَا

النَّهَارَ مَعَاشًا ۔ یعنی اس نے دن کا وقت اس لیے بنایا ہے۔ کہ انسان اپنی معاش حاصل کرنیکی کوشش کرے۔ جو مسلمان پرستاری اسلام کا دم بھرنے کے بعد بھی دن کا وقت بیکاری میں گزار دیتے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کو شرم کرنا چاہیئے۔ کہ ہم تعلیم اسلامی سے روگردانی کر رہے ہیں۔

ان کا رسولؐ جن کا نام سنکر ان کی گردنیں فرطِ ادب سے جھک جاتی ہیں۔ زبانوں پہ درود جاری ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے۔ کہ خداوند کریم کسب معاش کرنے والے مسلمانوں کو دوست رکھتا ہے لیکن ایک وہ بدنصیب ہیں۔ کہ طلب کسب حلال کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھنے کے بعد بھی یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم محبوب خدا کے امتی ہیں۔

مسلمانوں کو اپنے گھر کے کام کاج میں شرم آتی ہے۔ وہ بازار سے کوئی چیز خرید کر لانا معیوب خیال کرتے ہیں۔ لیکن انہیں شاید یہ نہیں معلوم۔ کہ دنیا کی سب سے بڑی ہستی جس کے قدموں پر چالیس کروڑ مسلمانوں کی جانیں قربان ہوں۔ بازار سے خود اناج خریدتی! اور اسے اپنے سر اقدس پر اٹھا کر گھر لاتی تھی۔ اگر راہ میں عاشق رسول اس بوجھ کو خود لینے کی کوشش کرتے۔ تو زبان مبارک سے یہ ارشاد ہوتا۔ کہ نہیں۔ یہ میرا کام ہے ۔

اسلام کی ایک دوسری جلیل القدر شخصیت جس کی ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ گئے۔ جس کا علم اقبال عرب و عجم پر لہرا رہا تھا۔ یعنی حضرت ابن الخطابؓ۔ ان کا قول تھا کہ کاش مجھے حالت میں موت آئے۔ جب میں اپنے متعلقین کیلئے بازار میں خرید و فروخت کرتا ہوں۔

اس کے بالکل برعکس ایک ہم مسلمان ہیں۔ کہ اپنے مذہب کی تعلیمات کو ٹھکراتے ہیں اپنے بزرگانِ دین کی پیروی باعثِ ننگ خیال کرتے ہیں۔ پھر پوچھتے ہیں۔ کہ ہم دنیا میں ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ ۵

یہ جگنو بھی نئی ہی روشنی سے ملتے جلتے ہیں۔
اندھیرا ہی رہا جنگل میں گو یہ جا بجا چمکے۔

نظم

تابکے یہ گمرہی اے قومِ غفلت آشنا — تابکے یہ بے حسی اے ملتِ بے آبرو
یہ بھی ہے جینا کوئی اے طائرِ بامِ حرم — کتنا ارزاں ہو گیا ہے دہر میں تیرا لہو
زندگانی کی ہوا سے کس قدر بیزار ہے — خنجرِ قاتل ہے سر پہ اور بے پروا ہے تو
سو رہا ہے تو ہمہ بستی میں غافل دیکھ ادھر — جام ہے ساز طرب ہے صحنِ گلستاں آبجو
پتہ پتہ دے رہا ہے چپے چپے درسِ حیات — ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے دم بدم سبحانہٗ
ممکنات زندگی کا امتحاں کرنا ہے گر — سینۂ خالی میں پیدا کر ہجومِ آرزو
یاس کی ظلمت سے اس کو ہار میں گھبرا نہ جا — آسماں پہ ہے طلوع کوکب لا تقنطوا

اپنی کشتی کو دریائے بے پایاں میں ڈال
[illegible] شعورِ ذوالجلال سے عالمِ امکاں [illegible]

سعیِ بے حاصل

خود عمل ہی حیات ہے یعنی ✻ زندگی اور عمل ہیں ہم معنی

کچھ کرو اور کئے جاؤ۔ کیونکہ تم کرنے ہی کیلئے پیدا ہوئے ہو۔ تم اسی وقت تک زندہ ہو جب تک کچھ کرتے ہو۔ تمہارا کرنا کچھ رُکا۔ اور سمجھ لو۔ کہ تم نہیں ہو۔ کام۔ تمہاری زندگی کا شعار۔ اور انسانی ہستی کے عَلم کا مدار کر ہے۔ کوئی ترقی کا آسمان، کوئی بلند ہمتی کا عرش، اوپر دکھائی دے۔ اور تم اس کی طرف اڑو۔ کوئی اولوالعزمی کا نشیمن اور کوئی عالی حوصلگی کی مسند نظر آئے۔ اور تم اس کی طرف دوڑو۔ کوئی ہزار روکے نہ رکو۔ ہزار منع کرے نہ مانو۔ دلیری و استقلال کے ساتھ بڑھتے ہی چلے جاؤ۔ کیونکہ ناکامیاں نہ چلنے ہی میں ہیں۔ چلے اور پہنچے۔ تمہارا ہمت بندھانے والا خالق کہہ رہا ہے۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ یہی نعرہ لگاتے ہوئے بڑھو۔ اور قدم منزل مقصود میں پہنچ جاؤ۔ اسی طلسمی عمل کو بازو پر تعویذ کی طرح باندھ کر آگے بڑھ جاؤ۔ اور جو لینا چاہتے ہو۔ لو۔ مگر ہاں شرط یہ ہے۔ کہ ہمت پوری اور جستجو سچی ہو۔ تمہارے کام میں سعی کی شان پیدا ہوئی۔ اور دشواریوں، ناکامیوں، مزاحمتوں اور مصیبتوں کی یہ خطرناک گھاٹی بند ہوجاتی نظر آ رہی ہے۔ اسے "من طلب وجد" کے موکل فرشتوں نے ایک تعبیر کے پردے کا کھنا

کہ تمہیں شاہدِ آرزو کا جلوہ دکھا دیا ۔

جب کبھی ہم کسی دشوار اور اپنی حیثیت سے بڑھی ہوئی آرزو کے حصول کیلئے قدم مارتے ہیں۔ یا کسی ایسے کام کو شروع کرتے ہیں جس میں کامیابی مشکل نظر آتی ہو۔ تو اکثر اصحاب کی ناصحانہ زبان سے سنتے ہیں "بیکار محنت سے کیا حاصل! اور اس سعی بے حاصل کا کیا نتیجہ ؟ مگر آہ وہ یہ نہیں جانتے ۔ کہ حرکت ہی میں برکت ہے۔ اور لاحاصل' بے نتیجہ ، دشوار ، مشکل ، بلکہ محال ، غیر ممکن ، اور اسیطرح کے تمام ہمت شکن الفاظ سب ان ہی لوگوں کیلئے ہیں۔ جو ان الفاظ کو ان کے متعارف معنوں میں لیتے ہیں۔ ساری مشکل تمہارے مشکل جاننے سے ہے ۔ اور تم محال نہ جانو۔ تو سچ اور حقیقت یہ ہے ۔ کہ کوئی چیز محال نہیں ہے ۔ کیا تم نے نہیں سُنا ۔ کہ بعض اعلیٰ درجہ کے اولوالعزموں نے محال کا لفظ اپنی لغت سے نکال ڈالا تھا؟ اور اس کے سے تمام عالی ہمت لوگوں کے نزدیک محال و غیر ممکن کوئی چیز نہ تھی۔

اصل یہ ہے۔ کہ فایدہ اور نتیجہ ہو۔ یا نہ ہو۔ کچھ کرتا رہنا ہماری فطرت ہے۔ اور بے کچھ کئے ہم رہ ہی نہیں سکتے۔ تم نے کسی صوفی کو کبھی حال آتے دیکھا ہے۔ مغنی کے ایک پر اثر شعر اور معنی خیز کلام پر وہ کس طرح بے خود ہو کے ناچنے لگتا ہے ۔ اسی طرح ہمارے دل میں جس وقت کوئی جوش یا خیال پیدا ہوتا ہے۔ ہم بھی مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ جوش جس وجہ سے کہے ہاتھ ہلانے اور اسی کی گت پر ناچنے لگیں۔ لہذا ہمارا کام ہے۔ کہ بلا لحاظ اس کے کہ کامیابی ہو گی یا ناکامی ہاتھ پاؤں ماریں۔ اور کوشش کا دامن پکڑ لیں۔ چاہے وہ چیٹ کے ہمارے ہاتھ ہی میں رہ جاوے۔ فلسفہ اسباب و علل کا گرویدہ ہمارے کاموں کا

محاسبہ کرتا ہے۔ اور ہمارے تمام افعال کی علت و غایت پوچھتا ہے۔ ہم اگر جواب میں کہیں۔ کہ کوئی غرض نہیں۔ تو ہمیں مجنون بتاتا ہے۔ اور اگر یہ جواب دیں۔ کہ ہمارے تمام افعال کسی دوسری قوت کے تابع اور بجائے خود اضطراری ہیں۔ تو ہمیں جبریت کا ملزم ٹھہرا کے وہ ہماری نسبت بے دینی و لامذہبی کا فتویٰ دیتا ہے۔ وہ چاہے ہمیں کچھ کہے۔ اور کیسے ہی الزام دے۔ مگر ہم اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔

اے پرستاران عقل! ہر شخص سے اس کے حرکات و سکنات کا سبب نہ پوچھا کرو۔ کیونکہ چون و چرا کا میدان بہت تنگ ہے۔ اور علت و معلول کا سلسلہ ہر جگہ نہیں چلتا۔ دیکھو پہاڑ کی چوٹی پر سے اس بدنصیب کے قدم کو لغزش ہوگئی۔ آہ وہ گرا اور لڑھکتا، قلابازیاں کھاتا، چٹانوں سے ٹکراتا، اور سنگلاخ سلوں کی رگڑیں کھاتا ہوا نیچے چلا آتا ہے۔ اس نغز فنا میں جاتے وقت اگرچہ اسے یقین ہے۔ کہ ساری کوششیں بے سود ہیں۔ مگر دل نہیں مانتا۔ کبھی کسی پتھر کو پکڑ لیتا ہے۔ اور کبھی کسی گھاس پر ہاتھ مارتا ہے۔ پتھر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اور گھاس کی پتیاں ٹوٹ کے ہاتھ میں رہ جاتی ہیں۔ مگر وہ اپنی سعی لاحاصل سے باز نہیں آتا۔ اس سے نہ پوچھو۔ کہ یہ بے نتیجہ کوششیں کیوں کر رہے ہو؟

اس شکستہ بخت کشتی شکستہ کو دیکھتے ہو جسے عدم آباد کے پرخطر سفر میں سہارا دینے کے لئے کوئی ٹوٹا تختہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ ناپیدا کنار سمندر کے زور شور سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اور اس سیاہ چٹانوں کی طرف جا رہا ہے۔ جو کوسوں کی مسافت پر ایک دیوزاد کی طرح سطح آب پر کھڑی ہوئی اسے اپنی طرف بلا رہی ہے۔ جانتا ہے۔ کہ وہاں تک پہنچنا انسان کی امکانی

کوشش سے باہر ہے۔ اور بفرض محال پہنچے بھی تو وہاں کسی قسم کا سامان زندگی نہیں موجود ہے مگر اسے ان انجاموں کی مطلق خبر نہیں۔ زیست کی کوئی امید نہیں ہے۔ مگر دیکھو اس ٹہنی پر جو کہیں سے بہتی ہوئی آگئی ہے۔ ہاتھ مارتا ہے۔ کہ اسے پکڑ کر ڈوبنے سے بچ جائے۔ اس تنکے کا سہارا چاہتا ہے۔ جسے موجیں خدا جانے کہاں سے بہا لائی ہیں۔ تم ہی نہیں کہتے خود اسے بھی معلوم ہے۔ کہ یہ سعی بے حاصل ہے مگر اپنی سعی کر گزرتا ہے۔ اور بغیر کئے نہیں رہتا

ان دونوں انتہا درجے کے مایوسانہ زلیست کو تم نے دیکھ لیا۔ کہ گو انہیں یقین واثق تھا۔ کہ کوشش بے فایدہ اور ہاتھ پاؤں مارنا بے سود ہے۔ مگر اپنی سعی کئے گئے۔ اور مرتے دم تک کچھ کرتے ہی رہے۔ یونہی تم بھی دم واپسیں تک اپنا کام کرتے رہو۔ شہید اور پڑ کر مرنے والے میں بھی یہی فرق ہے۔ کہ پہلا مرتے دم تک کوشش کا دامن نہیں چھوڑتا۔ اور دوسرا ہاتھ پاؤں ڈال کے پڑ جاتا ہے۔ اگرچہ دوا درمن اور تدابیر صحت سے یہ بھی باز نہیں آتا۔ مگر شہید کی کوشش زیادہ جان بازی کی ہے۔ اور اس لئے اس کو ابدی زندگی نصیب ہوگی۔

اس سے تم اس نتیجہ کو بآسانی پہنچ سکتے ہو۔ کہ جو آخر تک اپنا کام کرتا رہے۔ اور کوشش کئے جائے۔ دراصل مرتا ہی نہیں۔ اس کی موت صرف ظاہر میں نظر آتی ہے۔ حقیقت میں اسے ابدی زندگی حاصل ہوگی۔ کیونکہ اس کی سعی و کوشش ہی اس کے حق میں آبحیات بن جاتی ہے ؎

اسباب وعلل کا سلسلہ کوششوں کے عالم میں چلتا بھی ہے۔ تو اسی حد تک جہاں تک کہ ہم پر یاس و ناامیدی کا غلبہ نہ ہو۔ مایوسی کے بعد ہم جو کچھ کرتے ہیں۔ وہ ہمارا ایک

اضطراری فعل ہوتا ہے۔ جب چڑیا بلی کے منہ میں جا کے پھڑپھڑاتی، اور بکری شیر کے
پنجے میں پھنس کے چلاتی اور ہاتھ پاؤں مارتی ہے۔ اس وقت اسے حس نہیں ہوتی، کہ
ہم یہ کیوں کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے عالم یاس کے مضطربانہ حرکات کے متعلق اگر ہم سے
یہ سوال کیا جائے۔ کہ یہ کیوں کیا، اور یہ کیوں نہ کیا، تو اول تو ہمیں جواب دینے کی فرصت
ہی نہیں ہوتی۔ جو سراپا مصروف سعی لاحاصل ہو۔ اس کے کان سب طرف سے بہرے ہو
جاتے ہیں۔ اور اگر توجہ کرنے کی فرصت مل بھی جائے۔ تو اس وقت ہمارا دماغ چون و
چرا کا بار اٹھا ہی نہیں سکتا، ہم خود ہی نہیں جانتے، کہ یہ کیوں کر رہے ہیں۔ تمہیں کیا
جواب دیں، بس اتنا ہے۔ کہ اپنے ان مضطربانہ افعال اور اپنی ان بے نتیجہ کوششوں سے
ہم اپنے جوش کی آگ پر پانی ڈالتے اور اپنے بیتاب دل کو تسلی دیتے ہیں۔ ہم یہ ہرگز نہیں سمجھتے
کہ اس ہاتھ پاؤں مارنے سے مطلب حاصل ہو جائیگا، مگر ہاں بے بسی کی حرکتیں ہمارے
دل کو ایک طرح کی تسکین دیتی، اور اس تسکین میں کچھ ایسی لذت ہے۔ کہ تم ہزار روکو ٹوکو
منع کرو۔ زبردستی پکڑ لو۔ اور ہمارے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ دو۔ مگر ہم باز نہ آئینگے،
خدا غریق رحمت کرے۔ ہمارے فطرت شناس شاعر کو۔ جو کہتا ہے ؎

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی + وہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

غالب مرحوم سے پہلے سعی بے حاصل کی لذتوں سے کوئی شاعر شاید ہی آشنا تھا، اور نہ کسی
نے بتایا تھا کہ ان مضطربانہ حرکات یاس میں کیا مزہ ہے۔ اور [illegible] اکثر حیثیات کا
نتیجہ ہے۔ الفزع من شان الاموات والاشتغال من شان الاحیاء۔

بے کار رہنے والو

الفراغ من شان الاموات و الاشتغال من شان الاحیا

تم کیوں ہوئے ہو پیدا بے کار رہنے والو — کیا فرض ہے تمہارا بے کار رہنے والو

دیکھو ذرا اٹھا کے تقدیر کا نوشتہ — کرنا ہے تم کو کیا کیا بے کار رہنے والو

ہے دلفریب کتنی آرایشِ مناظر — دیکھو ذرا تماشا بے کار رہنے والو

کرنا ہے تم کو جو کچھ انجام اس کو دیدو — ہے چند روزہ دنیا بے کار رہنے والو

کبتک یہ زورِ نکہت کب تک یہ خوابِ غفلت — دنیا ہے عبرت افزا بے کار رہنے والو

مہلک مرض تمہارا ہے کاہلی و سستی — کر لو علاج اپنا بے کار رہنے والو

یورپ کے رہنے والے کیا کر چکے ہیں ابتک — تم نے بھی کچھ دکھایا بے کار رہنے والو

...ادرس کیا کر رہی ہے دنیا کیا ہو رہے ہیں یہاں — کچھ بھی نہ تم نے دکھایا بے کار رہنے والو

...من سبانیں پرست رہنا اچھا نہیں تمہارا — کرنا تھا کچھ مداوا بے کار رہنے والو

منسوخ کر رہے ہو قانونِ نظمِ قدرت — تم کو دیئے ہیں اعضا بے کار رہنے والو

اعضا تمہارے اکدن ہو جائینگے معطّل — سوچو نتیجہ اپنا بے کار رہنے والو

اس گردشِ فلک نے کیا کیا نہ روپ بدلے | دیکھا نہ تم نے اصلا بے کار رہنے والو
تم کو دیئے گئے ہیں بیکار و بے سبب کیا | یہ دیدہ ہائے بینا بے کار رہنے والو
دیکھو مصنفاتِ نام آورانِ گیتی، | کیا کر رہی ہے دنیا بے کار رہنے والو
اپنے دماغ و دل کی گر روشنی دکھاتے | ہوتے نہ تم بھی یکتا بے کار رہنے والو
کس کس لباس میں ہے صورت نما ترقی | دیکھو جہاں کا نقشہ بے کار رہنے والو
کیوں کر رہے ہو شکوہ تقدیر کا تم اپنی | الزام ہے یہ بیجا بے کار رہنے والو
جا کر کرو ریاضت کالج میں مدرسہ میں | ہو بے نظیر و یکتا بے کار رہنے والو
علمی مناظروں میں عقلی نمایشوں میں، | کیا کیا نہ تم کو ڈھونڈا بیکار رہنے والو
ہمت کے نیشتر سے غیرت کی رگ کو چھیڑو | ہی جوش خلطِ سودا بے کار رہنے والو
اسلاف نے تمہارے کی کیسی جانفشانی | ہے کچھ خیال اس کا بے کار رہنے والو
جو نقش ہے بھٹانا اس وقت وہ بٹھا دو | اب ہوگے پھر نہ پیدا بے کار رہنے والو

صحبت سے دوستوں کی فرصت ملے جو دم بھر

نظم عزیز پڑھنا بے کار رہنے والو — عزیز

کلماتِ رسول صلعم: (۱) کاموں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جس کی جیسی نیت ہوگی اس کو ویسا ہی پھل ملے گا۔

جفاکش بنو

لیس للانسان الا ما سعیٰ کو یاد رکھ
ایک اس قانون پر ہے سارے عالم کا مدار

گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر تم بی۔اے۔ ایم۔اے نہ ہو سکے، نہ سہی، اگر تم کو
تحصیلداری یا ڈپٹی کلکٹری نہیں مل سکتی نہ سہی، پھیر لو، ادھر سے نگاہ، ذرا اپنے داہنے
بائیں نگاہ ڈالو۔ تمہاری ترقی کے کیسے کیسے پرفضا میدان دور تک کھلے پڑے ہیں۔ ان کے
کناروں پر کانٹے دار جھاڑیاں اور پرخار درخت نظر آرہے ہیں ان سے مت ڈرو تھوڑی
دیر کیلئے تم اپنی تن زیب کی نازک اچکن کھونٹی پر ٹانگ دو۔ اور اس کے عوض میں موٹا زین کا
کوٹ گلے میں ڈال لو۔ یہ آپ کے نرم بوٹ پوشاک کے کارخانہ کے اور آپ کی پھول دار سلیپر
بھی آپ کو ادھر جانے سے منع کر رہے ہیں۔ یہ آپ کے سخت دشمن ہیں۔ اتار پھینکو ان
نادان دوستوں کو بھی اور کانپور کے دیسی بنے ہوئے امیونیشن بوٹ پہن لو۔ ڈر ہے
کہ آپ کی کارنمائی کچھ خار مغیلاں سے دست و گریباں نہ ہوں۔ لہٰذا اسے بھی فی الحال رخصت
کرو۔ اور بسم اللہ کر کے گھس پڑو۔ اور جدھر وسعت نظر آئے، چل دو، راستے میں بچھے
ہوئے گوکھروں کو اپنے سخت بوٹ کی ایڑی سے مسل ڈالو، اگر جھاڑیاں الجھیں۔ تو کہنی مار کر

توڑ ڈالو۔ اور اندر داخل ہو جاؤ۔ تم اندر جا کر دیکھوگے، کہ کیسا پُر فضا باغ لہلہا رہا ہے۔ اور تم کہوگے ارے ہم ناحق بیرونی جھاڑ جھنکاڑ سے خوف کھاتے تھے۔

عزت و ذلت کے معنی غلط جو تم نے سن رکھے تھے یکقلم بھلا دو۔ اور اس کے اصلی معنی سیکھ لو بس بیڑا پار ہے۔ اور تم ان میں سے ہو جاؤ گے جن کی نسبت قوم کو پیدا کرنے والے شاعر کہہ رہا ہے۔ ؎

ہر اک ملک میں خیر و برکت ہے ان سے | ہر اک قوم کی شان و شوکت ہے ان سے
نجابت ہے ان سے شرافت ہے ان سے | شرف ان سے فخر ان سے عزت ہے ان سے

جفاکش ہو گر ہو عزت کے خواہاں
کہ عزت کا بھید ہے ذلت میں پنہاں

عزت کا باغ مشقت کی ذلت کی جھاڑیوں میں ہے۔ اگر اندر جانا ہے۔ تو اسی میدان کو جو باغ کا حصار ہے۔ طے کرنا پڑیگا ؎

مشقت کی ذلت جنہوں نے اٹھائی | جہاں میں ملی ان کو آخر بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی | فضیلت نہ عزت نہ فرماں روائی

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں!

تم دنیا بھر کی بلکہ پتی کروڑ پتی۔ تاجر و صناع کی زندگی کا پتا لگاؤ گے تو تم کو معلوم ہوگا۔ کہ اکثر ان میں سے شروع میں کچھ نہ تھے۔ مگر ہمت کی اور خدا کی مدد کے مستحق بنے۔

بھروسے پہ اپنے دل و دست و پا کے
سمجھتے ہیں ساتھ اپنے لشکر خدا کے

کلماتِ رسولؐ

۱۔ حیا ایمان کی ایک بڑی شاخ ہے۔ یعنی ایماندار آدمی میں شرم ضرور ہوتی ہے۔

۲۔ مسلمان وہ ہے۔ جس کی زبان اور ہاتھ (قول وفعل) سے دوسروں کو رنج نہ پہنچے۔ اور مومن وہ ہے جس سے سب کی مال اور جان کو امن ہو

۳۔ کامل ایمان والا وہی ہے۔ جو خدا واسطے دوستی اور خدا واسطے دشمنی رکھے۔ اور جو کچھ دے خدا واسطے دے۔ اور جہاں نہ دے۔ وہاں نہ دینا بھی خدا واسطے ہو۔ یعنی نیک کام والوں سے ملے۔ اور بدکاروں سے بچے۔ اور اچھے کام میں دے۔ اور بُرے کام میں نہ دے ؎

۴۔ جو امانت دار نہیں۔ وہ ایماندار نہیں۔ اور جو اپنی بات پر قایم نہیں۔ وہ ہرگز دیندار نہیں۔

۵۔ جو نیک کام کرنے سے خوش، اور بُرے کام سے رنجیدہ ہو۔ تو جان لینا چاہیئے کہ وہ ایمان والا ہے۔

اپنے حال پر دو آنسو

خودی سے باز آ نہ خوار ہو تو خدا کے بندے خدا خدا کر
خدا کا رستہ ہے صاف سیدھا ادب سے چل سر جھکا جھکا کر

کہاں وہ علم و ہنر کے بانی، کہ دہر میں تیغ کہ سر گرانی
ہوئے ہیں زیر زمیں وہ پنہاں نشان ہستی مٹا مٹا کر

عجب ہیں قدرت کے کارخانے عجب ہے کچھ اسکی بے نیازی
عدم سے لایا کبھی بنا کر، کبھی بگاڑا بنا بنا کر

نہ دل کو تسکین نہ تاب دوری پھنسے مصیبت میں دل لگا کر
طلب ہے امن و نشاں کی ہم کو گیا پتا بھی نہ جو بنا کر

کہاں وہ دولت کہاں حمیت کہاں وہ ہمت کے کارنامے
ہماری ہستی نے ہائے ہم کو گھٹایا آخر بڑھا بڑھا کر

کہاں ہے عباسیوں کی شوکت کہاں ہے عثمانیوں کی سطوت
گئے ہیں راہِ خدا میں سارے سروں کو اپنے کٹا کٹا کر

علوم قبضے میں جن کے تھے سب جہاں پہ قبضہ تھا جن کا بالکل
ہوئے ہیں محروم علم سے وہ خزانے اپنے لٹا لٹا کر

کہاں حمیت ہے اب لہو میں، کہاں وہ تاثیر گفتگو میں
ہوئے ہیں افسوس خوار کیسے لیاقت اپنی گنوا گنوا کر

وہی ہے غفلت وہی ہے سستی وہی تساہل وہی تغافل
گئے ہیں آخر جگانے والے ہمیشہ ہم کو جگا جگا کر . . .

کہاں وہ اسلام کے ہوا خواہ کہاں وہ قوم کے سردار آہ | دلوں پہ اہل جہاں کے اپنا گئے ہیں سکہ جما جما کر
ہوا ہے کافور درد قومی شہید اپنی غرض کے ہیں سب | ہوا ہے مختل دماغ بالکل تو نہیں نخوت سما سما کر

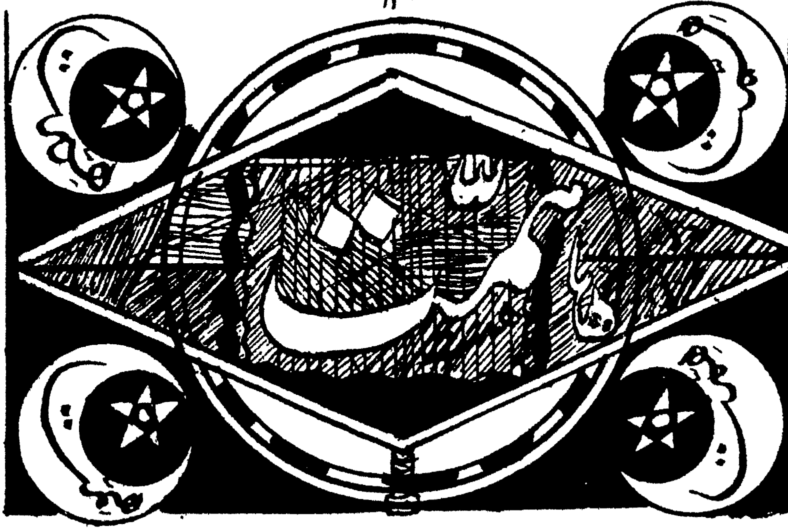
ہیں ایک وہ بھی جنہیں ترقی کی رات دن دھن لگی ہوئی ہے
اور ایک ہم ہیں مصیبتوں میں پڑے ہیں عزت گنوا گنوا کر

وہ نصر حمرا کے تھے جو بانی ہے باقی ان کی فقط کہانی | نہ کچھ پتا ہے نہ کچھ نشاں ہے سراغ لائے کوئی لگا کر
ذلیل ہم کو سمجھتے ہو تم تمہیں بھلا ہم سمجھتے ہیں کم | غرور کرتی ہیں غیر قومیں ہمیں یہ فقرے سنا سنا کر

اٹھو بڑھو اب کرو نہ سستی رہے بہت محو خواب غفلت
بہت سی طے کرنی ہیں منازل قدم بڑھاؤ جما جما کر

ابھی تو بگڑا نہیں ہے کچھ بھی تلافی ممکن ہے ابھی انکی | جو نونہالان قوم کو تم بڑھاؤ ہمت بندھا بندھا کر
علوم و فنون سکھاؤ تم ان کو طریق حرفت بتاؤ انکو | بناؤ روشن ضمیر ان کو فن زراعت سکھا سکھا کر

پھریں ہمارے بھی دن الٰہی کہ یہ سب جاتی رہے تباہی
جہاں پہ اپنا لہرائے پرچم عروج اپنا دکھا دکھا کر



لنا فی ذری العلیا جواد مقدس — بہ نرتقی نحو المعالی الرفیعۃ

یسمی براق العارفین الی العلی — علیہ صعود الروح نحو الحقیقۃ

لہ من ضیاء الحق عینان کحلا — عینا السحر اولی ثم اخری بقدرۃ

جناحاہ احداہن للسعد طائر — فاخری الی بعد الشقاوہ جرت

ولا عجب فی انہ کل ما یری — من الصعب یلقاہ باحسن صنعۃ

وما دققت عیناہ فیہ فانہ — لہ موقع الحافر درگا بخطوتہ

الا انہ نور من اللہ منزل — تنشر بلا انسان فی اسم ہمتہ

ترجمہ :- ہمارے لئے بلند چوٹیوں میں ایک مقدس گھوڑا ہے۔ جس سے ہم بلند
جگہوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ اس کا نام براق العارفین ہے۔ جو بلندی کی طرف جاتا ہے۔
اسی کے ذریعہ حقیقت کی طرف روح صعود کرتی ہے۔ حق کی روشنی سے اس کی دو

مرگیں آنکھیں ہیں۔ ایک جادو سے مناسبت رکھتی ہے۔ دوسری قدرت سے۔ اس کے دو بازو ہیں۔ ایک سعادت کے طائر کیلئے ہے۔ اور دوسرا بعد شقاوت کیلئے جاری ہوا۔ اور یہ تعجب نہیں ہے۔ کہ وہ جس چیز کی سختی کو دیکھتا ہے۔ اس سے اچھی صنعت کے ساتھ ملتا ہے۔ اس میں اس کی دو نو آنکھیں بند نہیں ہوئیں۔ اس کو صرف ایک سُم رکھنے کی جگہ چاہیئے۔ پھر وہ ایک ہی قدم سے اس سخت گھاٹی کو پھلانگ جاتا ہے۔ آگاہ رہ!!! کہ وہ اللہ کا نازل کیا ہوا نور ہے۔ جو اسم ہمت میں انسان کے لئے پوشیدہ ہے۔

بُلند ہمّت ہو

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق + باشد بقدر ہمت تو اعتبار۔۔۔ تو

چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہے
مثل ہے۔ کہ ہمّت کا حامی خُدا ہے

مسلمانوں کے تنزل کے ابتدائی اسباب خواہ کچھ ہی ہوں۔ مگر یہ یقینی امر ہے۔ کہ موجودہ مسلمانوں کے ترقی کے دور میں سب سے پیچھے رہنے کی وجہ محض ان کی کم ہمتی، بزدلی اور غیر مستقل مزاجی ہے۔ اور یہی وہ خوفناک اخلاقی بیماریاں ہیں۔ جو انسان کو دین و دنیا سے کھو دیتی اور قوموں کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔ ہم جو معمولی معمولی کاموں میں ہاتھ ڈالتے ہوے

جھجکتے ہیں بیسیوں مرتبہ اپنے ارادے اور رائیں چھوڑتے ہیں۔ ذرا ذرا سی دقتوں اور مشکلوں سے گھبرا کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہمیشہ ناکامی اور تقدیر کی شکایت کرتے ہیں۔ منصوبے بہت سوچتے ہیں۔ مگر ان کی تکمیل نہیں کر سکتے، اور گھروں میں بیٹھ کر خیالی پلاؤ پکاتے ہیں۔ ان تمام خرابیوں کا سبب یہی ہے۔ کہ ہماری پیچھے کاہلی۔ پست ہمتی بزدلی، اور غیر مستقل مزاجی کی بیماریاں لگی ہوئیں ہیں۔ جنہوں نے ہمارے دل و دماغ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اور ہماری عملی قوتوں کو اپنی آہنی زنجیروں سے جکڑ رکھا ہے جبتک ہم ان موذی بیماریوں کا استیصال نہیں کریں گے۔ جبتک ہم ان کی زنجیروں سے اپنی عملی قوتوں کو آزاد نہیں کریں گے جبتک ہمارے اندر عالی حوصلگی، جفاکشی، بلند ہمتی، مستقل مزاجی، اور برداشت مشکلات و مصائب کی صفات پیدا نہ ہوں گی، اس وقت تک ہماری کوئی کوشش بارآور اور کوئی تمنا پوری نہیں ہو سکتی، نہ ہم تعلیم میں ترقی کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری مذہبی ترقی بھی اسی پر منحصر ہے۔ کہ ہم صفات مذکورہ سے آراستہ ہوں۔

آج کل کہ بفضلِ خدا سے ہماری قوم میں بیداری کے اسباب کچھ کچھ نمایاں ہونے لگے ہیں۔ اور ہم اپنی موجودہ ضرورتوں کی تکمیل اور اپنے مستقبل کو خوشحال بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہمیں مشکلات و مصائب و دقتوں اور دشواریوں کا پیش آنا ضروری ہے۔ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ پہلے ہی سے ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور استقلال و عزیمت کے ہتھیاروں سے اپنے آپ کو مسلح کر لیں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ عارضی مشکلات و مصائب کی رکاوٹیں۔ ہماری ترقی میں حارج ہو جائیں۔ مایوسی امید پر غلبہ حاصل

کرے۔ اور ہمیں اپنی قیمتی کوششوں اور عزیز ارادوں سے دست کش ہونا پڑے۔

مولوی محمد سجاد مرزا بیگ صاحب کی قابلِ قدر کتاب حکمت عملی کے افاداتِ ذیل دل میں نقش کر لینے کے قابل ہیں :-

انسان سہولت و تن آسانی، آرام و راحت سے نہیں۔ بلکہ مشکل وقت میں پڑنے اور مصیبتیں جھیلنے سے آدمی بنتا ہے۔ دقتیں انسان کیلئے بھٹی کا کام دیتی ہیں۔ جو اس کا جوہر چمکا دیتی ہیں۔ یا استاد ہیں۔ کہ مار مار کر دانش و عقل سکھاتی ہیں۔ انسان کامیابی سے زیادہ ناکامی سے ہوشیار ہوتا اور تجربہ حاصل کرتا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی ایجادوں اور مہتم بالشان کاموں کے آغاز میں ہمیشہ پہلے ناکامی ہوئی ہے"

دنیا کے ہر کام کے حصول کیلئے خواہ وہ دنیوی ترقی اور بہبودی کی غرض سے ہو۔ یا اخروی نجات اور سعادت دارین حاصل کرنے کیلئے ہو۔ طلب صادق اور عزم بالجزم اور استقلال کو بہت بڑا دخل دیا ہے۔ کسی کام کے کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا جائے تو کامیابی کا نصف درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تمام مشکلیں اور دقتیں جو تذبذب اور دودلی کی حالت میں پہاڑ کی طرح سدِّ راہ ہوتی ہیں۔ جوانمردوں کے مستقل ارادوں کے سامنے ہیچ ہو جاتی ہیں۔ کسی کام میں ہمت نہ ہارنا اور پوری سعی و کوشش کئے جانا کامیابی کا یقینی طریقہ ہے۔ عالی حوصلہ جوانمرد جو کسی کا عار اٹھانا نہیں چاہتے۔ اپنے طائرِ ہمت کے پر و بال کو دیکھتے ہیں۔ اور خواہ کتنا ہی نازک وقت کیوں نہ ہو۔ صرف اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور جن میں بلند حوصلگی اور ہمت و مستعدی نہیں ہوتی، وہ بڑے

بڑے ارادے کرتے ہیں لیکن ان کی باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ کبھی کچھ کر کے نہیں دکھاتے۔ اور جو کام شروع کرتے ہیں۔ اس میں پورا نہیں ڈالتے۔ اور یہ تمام ناکامیابی عدم استقلال اور فقدان عزیمت تامہ سے ہوتی ہیں۔"

"اپنے ہاتھ پاؤں اپنے وسایل، اپنے روپے، اور اپنی تدبیر پر بھروسہ کرنا اور متوکل علی اللہ مشکلات کا مقابلہ کرنا ہی طاقت، ہمت اور زندگی ہے۔ اور جہاں ہمت ہی نہ ہو۔ وہاں بے کسی، بے بسی، اور بے یاری، اور بے مددگاری اور سارے حرمان نصیبی، اور مایوسی کے سامان جمع ہیں۔ عالی ہمت آدمی پانی کی رَو کی طرح اپنا راستہ آپ تلاش کر لیتے ہیں۔ اور نہ صرف خود منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پار لگا دیتے ہیں۔"

پس اے نوجوانانِ قوم! تم بھی اپنی زندگی کو کامیاب اور خوشحال بنا سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم اپنا نصب العین بلند اور اپنی زندگی کا معیار بزرگ و اعلیٰ قرار دو۔ اور تمام جائز وسائل ان کے حاصل کرنے کیلئے استعمال کرو۔ اور زندگی کی کامیابی منحصر ہے۔ حوصلہ مندی، عالی ہمتی، جفاکشی اور استقلال پر، یہ نہ خیال کرو۔ کہ تم کچھ نہیں کر سکتے، تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ تمہارے اندر بھی وہ تمام قابلیتیں موجود ہیں۔ جن سے زندہ قوموں نے تمہارے دل و دماغ پر سکہ بٹھا رکھا ہے۔ تم بھی ان تمام خصوصیات و محاسن سے آراستہ ہو سکتے ہو۔ جو دوسری قوموں کے لئے طغرائے امتیاز ہیں۔ تمہاری ظاہری اور باطنی قوتیں بھی کسی ترقی یافتہ انسان کی قوت سے کم نہیں ہیں۔ کمی تمہارے اندر صرف اس کی ہے۔

کہ تم عالی حوصلگی اور بلند ہمتی سے کام نہیں لیتے۔ اپنے نفس اور اپنی رائے پر اعتماد نہیں کرتے، خود پیش قدمی کرنا نہیں جانتے، دوسروں کی دستگیری و رہنمائی کے منتظر رہتے ہو۔ ذرا ذرا سی مشکلیں تمہارے عزم مصمم پر غالب آجاتی ہیں۔ ابتدائی ناکامیاں تم کو مایوس کردیتی ہیں۔ مصائب کو برداشت اور دقتوں کا مقابلہ کرنے سے تم دم چراتے ہو۔ خلاف منشائے شریعت تقدیر پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کرتے ہو۔ اور توکل و تقدیر کی آڑ میں آرام طلبی و کاہلی کے عارضی لطف اٹھاتے ہو۔ تم ہی میں ہزاروں ایسے ہیں جن کے اندر بڑھنے اور ترقی کرنے کی تمام قابلیتیں موجود ہیں۔ جو دنیا میں نمایاں سے نمایاں کام کر سکتی ہیں۔ مگر نہیں کرتے، صرف اس لئے وہ ان زنجیروں کو نہیں توڑتے جنہوں نے ان کی عملی قوتوں اور حوصلہ مندیوں کو جکڑ رکھا ہے۔ یاد رکھو، دنیا میں کامیابی و ترقی صرف اولوالعزمی اور حوصلہ مندی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور کوئی مشکل سے مشکل کام دنیا میں ایسا نہیں ہے۔ جو استقلال اور کوشش سے آسان نہ ہو جائے۔

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود ؎

مرد باید کہ، ہراساں نہ شود

مردِ خدا ہمّت نہ ہار

بس، اے دلِ غمگیں، نہ ہو دنیا کے غم سے دلفگار

دنیا کی خوشیاں ہیچ ہیں، دنیا کے غم ناپائدار

اللہ کی رحمت کا ہے گر دنیا میں تو امیدوار

ہمت سے اپنا غم مٹا ہمت سے اپنا جی ابھار + ہمت ہی کر مردِ خدا، مردِ خدا ہمت نہ ہار

تازہ کر اپنے عہد کو اللہ سے شام و سحر

ہر ہر عمل میں ہو ترے، تیرے ارادوں کا اثر

چل زندگی کی راہ میں خطروں سے ہو کر بے خطر

ہمت دکھا اور اپنی ہمت سے اٹھا محنت کا بار + ہمت ہی کر مردِ خدا، مردِ خدا ہمت نہ ہار

گو جگ میں ہوتا ہے وہی، خالق کو جو منظور ہے

کرنے سے ہوتا ہے مگر، قدرت کا یہ دستور ہے

ہمت وہ کوہِ طور ہے جس پر خدا کا نور ہے

ہمت پہ ہوتی ہے ہمیشہ، رحمتِ پروردگار + ہمت ہی کر مردِ خدا، مردِ خدا ہمت نہ ہار

یہ رنج و اندوہ و فغاں یہ درد و کلفت کس لئے؟

یہ نالہ و فریاد، یہ ذکرِ مصیبت کس لئے؟

دُکھ کی حکایت کِس لئے؟ غم کی شکایت کس لئے؟

دنیا میں اللہ کے سوا کوئی نہیں جب غمگسار۔ ہمت ہی کر مردِ خدا، مردِ خدا ہمت نہ ہار

غمگین نہ ہو، غم میں تیرے اک لطف کا ساماں بھی ہے

اشکوں کو اپنے دیکھ تو، ان میں کوئی خنداں بھی ہے

گاہے سکوں بھی ہے یہاں، گاہے یہاں طوفاں بھی ہے

یہ زندگی دنیا کی ہے اِک بحرِ ناپیدا کنار، ہمت ہی کر مردِ خدا، مردِ خدا ہمت نہ ہار

یہ وہ سمندر ہے کہ اس میں کشتیاں ہیں جابجا

دولت کوئی، کوئی ہنر، عشرت کوئی، کوئی ریا

ایماں وہ کشتی ہے، جس کا ناخدا ہے خود خدا،

ہاں ہاں جگہ پاتے ہیں اسمیں وہ جو ہیں ہمت شعار۔ ہمت ہی کر مردِ خدا، مردِ خدا ہمت نہ ہار

عالی حوصلگی

اِس سمت بھی نظر ڈال، اُس سمت بھی نظر ڈال | ہر چیز سے اثر لے، ہر چیز پر اثر ڈال،

بیکاریوں سے رغبت یکلخت ترک کر ڈال، | طاقت نہیں مگر اُٹھ، عادت نہیں مگر ڈال،

اظہارِ عزم و ہمت کر، اور بے دھڑک کر، | بنیادِ اوجِ عزت ڈال، اور بے خطر ڈال،

ہر خطرہ کو مٹا کر، خوف و خطر مٹا چھوڑ، | ہر روک کو ہٹا کر، میدان صاف کر ڈال،

ذرات کی چمک پر کب تک مٹا رہے گا، | اُٹھ اور اٹھ کے اکدم ہاتھ آفتاب پر ڈال

آزاد گو جفا میں پامال کرکے چھوڑیں | لیکن فضائے عالم شور وفا سے بھر ڈال

مسلم سے خطاب

یہ بتا تو مسلم بے نوا کیوں تو ذلیل ہے خوار ہے
نہ وہ شان ہے نہ وہ آن ہے نہ وہ دبدبہ و وقار ہے

ترا ملک و مال کہاں گیا ہوا تیرا جاہ و جلال کیا
نہ وہ تخت ہے نہ وہ تاج ہے نہ وہ قلعہ ہے نہ حصار ہے

وہ مکاں نہیں وہ مکیں نہیں وہ زماں نہیں وہ زمیں نہیں
جو کبھی عروس بلاد تھا وہی آج اجڑا دیار ہے

نہ وہ مے ہے نہ وہ میکدہ نہ وہ بادہ خوار نہ وہ جھمگٹے
نہ وہ نشہ ہے نہ وہ بیخودی نہ وہ کیف ہے نہ وہ خمار ہے

نہ وہ گل کہیں نہ ثمر کہیں نہ وہ برگ ہے نہ شجر کہیں
نہ وہ قمری ہے نہ وہ بلبلیں نہ وہ باغ ہے نہ بہار ہے

یہ چمن میں دور خزاں ہے کیوں یہ بکا ہے کیوں یہ فغاں ہے کیوں
نہ وہ قہقہے نہ وہ چہچہے نہ وہ جھومتی وہ پکار ہے

تری رفعتیں وہ کہاں گئیں تری شوکتوں کا پتہ نہیں
تری پستیوں کی کچھ انتہا ہے نہ ذلتوں کا شمار ہے

نہ وہ صنعتیں نہ تجارتیں نہ وہ حرفتیں نہ عمارتیں
نہ ترقیاں نہ وہ عزتیں نہ وہ منزلت نہ وقار ہے

نہ وہ دل میں جذبۂ حریت نہ خیال عظمت قومیت
جو شعار باعث ننگ تھا وہی آج تیرا شعار ہے

تری ہمتیں ہوئیں پست کیوں ہوئے بیخودی سے مست کیوں
تجھے حریت کی تلاش ہے نہ تجھے غلامی سے عار ہے

رہ مستقیم کو چھوڑ کر چلا دیں سے منہ کو جو موڑ کر
یہ سزا اسی کی ملی تجھے کہ تری یہ حالت زار ہے

تو جہاں میں چاہے جو زندگی تو نہ مردہ قوموں کی طرح جی
تو شعار اپنا بنا وہی جو ترا قدیم شعار ہے

تو اتفاق کی بات کو سن ذرا کوئی شعبہ نہ چھوڑ دین کا
کہ اسی میں تجھ کو ثبات ہے کہ اسی میں تیرا وقار ہے

مناجات و رفع حاجات بحضر رفیع الدرجات

از روئے نیاز با ہزار سوز و گداز

لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اَنْتَ مَوْلَاہُ　　فَارْحَمْ عُبَیْدًا اِلَیْکَ مَلْجَاہُ
یَا ذَا الْمَعَالِیْ عَلَیْکَ مُعْتَمَدِیْ　　طُوْبٰی لِمَنْ کُنْتَ اَنْتَ مَوْلَاہُ

ترجمہ:- حاضر ہوں میں، حاضر ہوں، تو مولا میرا ہے۔ پس رحم کر بندے کہ تو اس کا جائے التجا ہے۔ اے بزرگی والے تجھ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ خوشحال اس کا جس پہ تو مہربان ہے۔

اے آنکہ بجز سوئے تو، راہے نہ مراست
جز مرجع رحمتت پناہے نہ مراست
از حادثۂ زماں، بسوئے دگرے
غیر از کرمت گریز گاہے نہ مراست

من عاصیم و تو ہر چہ بینیم ہمہ جود
آں جود کزو وجود عالم موجود

ہرگز نہ رود گماں کہ باشد بہ یقیں
عصیانِ مرا بہ پیش جود تو وجود

ما مفلساں چہ تحفہ بدیں حضرت آوریم
در دست ما ہمیں صلوات ست والسلام

از ما کوششِ ما چیزے نیاید ایجان ، ہم تو بنا نہادی ہم تو تمام گردان

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

والسلام — خادم خلق

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زاں کہ من بندۂ گنہگارم

اپیل

به خدمت شریف

جمله گدی نشین صاحبان هندوستان و پنجاب

در آیات و اخبار آمده است که حضرت خواجه علیه السلام به نسبت با جمیع است، از پدر مهربان تر
است، و سر الشیخ فی قومه کالنبی فی امته - اقتضاء آن میکند که صاحب ارشاد
و رهنمای طریق سداد به نسبت با سالکان مسالک طریقت و ناهجان مناهج حقیقت شفیق تر از
پدر مهربان چون کل به نسبت اجزا اگر داں باشد، زیرا که مظاهر خلایق بمنزله قطرات اند از دریاء
حقیقة الحقایق و کاملی که از خویش رسته باشد، و بحق پیوست و سبوی قید انانیت بر لب دریای
احدیت شکسته و آب سبوی در بحر ریخته و جوی هستی جویان جوی خویش با دریا آمیخته و موج بحر یگانگی
و را در لجه افگنده که با آشنای آن لجه بیگانگی نگنجد و تلاطم امواج آن لجه هفت دریا را بنیم قطره
نسنجد، آری بیت ؎

قطره انگاه ز دریا نتوان باز شناخت،   که شود هستی او غرقه دریای محیط،

پس قطرات مظاهر شهود که از دریا جدا شده اند بحقیقت اجزای وی کامل باشند و

ہمچنانکہ جزوِ از تن و عضوِ از بدن چوں جدا شود، بے کار گردد۔ و بحکمِ شریعت مردار شود۔ اجزاء مظاہرِ خلقی نیز از انقطاع چنیں کاہلی بپیرند۔ و با اتصال او حیاتِ تازہ پذیرد۔ چنانکہ آیت کریمہ اِدِمن کان مَیتاً فاحیینٰہُ مقرر ایں معنی است۔ پس مبارک صیدے کہ خود را بفتراک صاحب دولتے بندد۔ و ہمایوں جزوی کہ با کل خویش پیوندد۔ متن

جزو از یں کل گر برد یک سو ہر دو۔ ایں نہ آں کل است کو ناقص شود،

قطع و وصل او نیاید در مقال، خیر ناقص گفتہ شد، بہر مثال،

زیرا کہ بریدن و پیوستن مبنی از دوگانگی است، و مقالات اہل توحید مبنی بر یگانگی، آہ کہ بیخبر از لذت وصلی و غافل از طلب مواصلت اصلی، و ریغا کہ از درد معارفت خبر نیست، و ایں قدر ندانی، کہ ذرہ را از آفتاب جدائی در خور نیست، نظم

صبحدم سر زند از پی خورشید زند   از پی خورشید بود ایں نفس سرد مرا

جزو ز جزوی چو برید از تن تو درد کند   جز و من از کل ببرد چون نبود درد مرا

ماؤ تو از یک گلستانیم از بہار و نتاب   آنکہ رخسار تر آگل کرد ما را خار ساخت

بعد از کمال ادب و سلام با وجیب نحن دست بستہ گذارش ہے۔ کہ احقر میں اس قبیل کی استعداد و لیاقت و استحضار علمی نہیں۔ کہ کسی حد تک جناب جیسی من کل الوجوہ با صواب ہستی کو روئے خطاب کر سکوں۔ اور ایسے موضوع کی نسبت کہ جس کی علت غائی،

تبلیغ دینی و تنویر انوار ملت احمدی پر موقوف علیہ ہو۔ ؎

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحرا۔ ہشدار کہ دم بر دم تیغ است قلم را

مگر شوق قلبی کی جرأت و ایفائے رویائے شریفہ کی نسبت نے مجھے مجبور کیا ہے کہ

خواہ کس قسم کا ہیچمدان اور روسیاہ اور عرق معاصی یا کس پرس ہوں۔ مگر اپنے جذبات

دینی کو ایک رسالہ کی شکل میں شایع کروں۔ ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا ؟ ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

بپاسداری ملت بیضا و بہ تعامل دَعْ مَاکَدُرَ وخذ ماصفا جناب نہ خود میری ناچیز کتاب

کو از راہ کرم مطالعہ فرماویں۔ بلکہ اپنے جملہ حلقۂ ارادت کیش مریدان صادق الاعتقاد کو ترغیب

مطالعہ کتاب ہذا فرما کر احقر کو رہین منت فرماویں۔ اور عنداللہ ماجور ہوں۔

مودب عرض بپردازم بسجادہ نشیناں را	دعائے عاطفت خواہم ز نظر نکتہ چیناں را
نگاہ کرم فرمائید تا زیں کار تبلیغم	باحسن رہ سرانجام دہد ہا یے بقیناں را

اِلتماسُ ضروری

اپنے کسی درویش سے اپنے خلفا اور مریدان مخلص کے اسمار گرامی اور پورے پورے پتہ تحریر

کرا کر ارسال فرماویں۔ تاکہ ان کی خدمت میں بھی کتاب بھیجی جاوے۔

خیر النّاسِ مَن یَّنفعُ النّاس

احقر خادم خلق

دُعا کی ماہیّت

یہ ماہیّت ہے:۔ کہ ایک سعید بندے اور اس کے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے۔ (یعنی آپس میں کھینچا تانی کرنا) یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کو صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ جب وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے۔ اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ

الوہیت ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ
دیتی ہے۔ اور قوت جاذبہ جو اس کے اندر رکھی گئی ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی
طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جل شانہٗ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یا
مَلائکتی لقد اُستَجِیبتُ مِن عَبدِی وَلَیسَ لہٗ غیرِی فقد غُفِرتْ
لہٗ ہے۔ اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب
پیدا ہوتے ہیں۔ جو اس مطلب کے لئے حاصل ہونے کیلئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر
بارش کے لئے دعا ہے۔ تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبیعہ جو بارش کیلئے ضروری
ہوتے ہیں۔ اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کیلئے بد دعا ہے۔
تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال
کے نزدیک بڑے بڑے تجاریب سے ثابت ہو چکی ہے۔ کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین
پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باذنہ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے۔ اور
عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے۔ جو طرف مؤید
مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز
کے بعض اقسام کی حقیقت بھی در اصل استجابت دعا ہے۔ اور جس قدر ہزاروں معجزات
انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں۔ یا جو کچھ کہ اولیاءِ کرام ان دنوں تک عجائبات و کرامات
دکھلاتے رہے۔ اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے۔ کی جگہ

اگر کسی شخص کو یہ شبہ ہو۔ کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں۔ اور ان کا کچھ اثر بھی

معلوم نہیں ہوتا۔ تو اس کو یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ یا ان کا خطا جانا ممکن نہیں۔ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے۔ کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے۔ مگر تقدیر نے علوم کو ضایع اور بے حرمت نہیں کیا ہے۔ اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھایا۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھو۔ تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے باہر نہیں مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو۔ تو اسباب علاج پورے طور پر میسر آجاتے ہیں۔ اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے۔ وہ اسے نفع اٹھانے کیلئے مستعد ہوتا ہے تب دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے۔ یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے۔ یعنی دعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط اس جگہ جمع ہوتے ہیں۔ جہاں ارادہ الہیٰ اس کے قبول کرنے کا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے نظام جسمانی اور روحانی کو ایک ہی سلسلہ مؤثرات اور متاثرات میں باندھ رکھا ہے۔ جو شخص نظام جسمانی کا تو اقرار کرے۔ اور نظام روحانی سے منکر ہو جاوے۔ وہ سخت غلطی پر ہے۔

ہر روز ہر مسلمان کا فرض ہے۔ کہ صبح کے وقت اپنا کام کاج شروع کرنے سے پہلے بعد از نماز صبح یہ دعا پڑھا کرے :-

دعائے مستجاب:- اَللّٰهُمَّ يَا مَنْ لَيْسَ فِي السَّمٰوٰتِ مِنْ قَطَرَاتٍ وَ...

فِی الْاَرْضِ مِنْ حَبَّاتٍ وَلَا فِی حُبُوْبِ لِمَا یَا حِ وَلُجَاتٍ وَلَا فِی قُلُوْبِ الْخَلْقِ مِنْ خَطَرَاتٍ وَلَا فِی اَعْضَائِهِمْ مِنْ حَرَکَاتٍ وَلَا فِی اَعْیُنِهِمْ مِنْ لَحَظَاتٍ اِلَّا وَهِیَ لَکَ شَاهِدَاتٌ وَّ دَالَّاتٌ وَّ بِرُبُوْبِیَّتِکَ مُعْتَرِفَاتٌ وَفِیْ قُدْرَتِکَ مُتَحَیِّرَاتٌ نَاسْئَلُکَ یَا اَللّٰہُ بِالْقُدْرَتِ الَّتِیْ تَحَیَّرَ بِهَا مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْ تُصَلِّیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ :-

یعنی اے آسمان کے تمام قطرے اور زمین کے سارے دانے کل سخت سے سخت (بعض) تینیں اور تیری مخلوق کے دلوں کے کل خطرات اور ان کی آنکھوں کے نظارے سب کے سب تیری گواہی دیتے ہیں۔ اور تیری ذات پاک پر صریحاً دلالت کرتے ہیں اور تیری ربوبیت کے معترف اور تیری قدرت میں متحیر ہیں۔ تیری اس قدرت کی برکت سے جس نے کہ کل آسمان زمین والوں کو متحیر کر رکھا ہے۔ دعا مانگتا ہوں۔ کہ تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور اصحاب اور ذرّیت پر درود بھیج۔

جس کسی کو کوئی حاجت درپیش ہو اسے چاہیئے۔ کہ یہ دعا پڑھے۔ اور اللہ تعالے سے اپنی حاجت مانگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اُس کی حاجت پوری ہوگی،

یہ بھی ہر روز پڑھ لیا کرو۔ اردو دعا:۔ اے خدا اپنے رسول کے صدقے سے ہمارے رگ و ریشہ میں قرآن کریم کا شوق بھرپور ہو۔ ہماری آنکھیں نور اسلامی سے منور ہوں۔ ہمارے فعل رنگ محمدی میں رنگے ہوئے ہوں۔ ہمارے پاؤں

بُری جگہ نہ جانے دے۔ ہمیں توفیق بخش، کہ ہم قرآن کی مشعل روحانی سے فیضیاب ہو کر
دنیا میں تیرے نام کو چار چاند لگا دیں۔ تیری وحدانیت کو دنیا کے کونے کونے میں
چمکا دیں۔ اور ہمیں تب تک چین نہ آئے، جب تک تمام عالم علم محمدی کے نیچے جمع
ہو جائیں۔ ہمیں کفار پر غلبہ بخش۔ ہمیں اپنا عاشق صادق بنا۔ تاکہ حشر کے دن اپنے
محبوب مرغوب کے سامنے سرخرو پیش ہوں۔ اور اس کے شربت دیدار سے اپنے
سینے کو ٹھنڈک پہنچائیں۔ آمین یا الہ العالمین۔ بطفیل رحمت العالمین ثم آمین۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ :۔

اور چاہیئے کہ یہ وظیفہ بھی پڑھ لیا کریں :۔

میل رحمت چو سوئے بالا بود　　　　در تزاید مرحبت آنجا بود ،

سرنگونساری ہرت سوئے زمین　　　　فلی حق لا احب الآفلین

ہر روز بہترین زندگی بسر کرنے کی کوشش کرنا اور یہ پختہ ارادہ کرنا کہ آج کیلئے کم از کم جاسکے نظر
ہو، یہی اصلی اور سچی زندگی ہے۔ اور یہی بات ہے جس سے انسان میں پختہ مزاجی آتی
ہے۔ ہمیشہ ترقی کرنے کی کوشش کرنا اور اپنے مطمع نظر کو بلند رکھنا ایک ایسی چیز
ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں دل کو طاقت دینے والی اور ابھارنے والی اور تخیل
کو وسیع کرنے والی اور کوئی شے نہیں۔ خواہ تمہارا پیشہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اپنا مطمع
نظر بلند رکھنے کی کوشش کرو۔ بلکہ اس میں اپنے آئیڈیل ideal کو بھرنے

کوشش کرو۔ اور اس بات کا یقین کر لو کہ تمہارے آئیڈیل میں بلندی ہے اور
اس میں ابھارنے کی خاص صفت ہے۔ مطمح نظر کیا ہے۔ یہ ایک مدعا ہے۔ جو ہماری
زندگی پر بہت ہی اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ ہماری آرزوؤں پر اثر ڈالتا ہے۔ ہمارے کاموں
کو ڈھالتا ہے۔ ہماری قسمت کا فیصلہ کرتا ہے۔ ہماری تمام زندگی کا میلان اسی
کی طرف ہوتا ہے۔ اگر ہمارا آئیڈیل (مطمح نظر) نیچا ہوگا۔ تو ہم کم ہمت ہی رہینگے،
برعکس اس کے اگر ہمارا مطمح نظر بلند و اعلیٰ ہوگا۔ تو ہماری زندگی بھی برتر ہوگی۔

ذی استعداد ان اہل علم و دلدادگان عشق گاہے گاہے یہ بھی
پڑھ لیا کریں۔

اے با دل شکستہ ترا کار آمدہ — درد تو مرہم دل افگار آمدہ

دیدہ متاع قلب صد ہزار عیب — وانگہ زروئے لطف خریدار آمدہ

خلقے میان صومعہ ز انتظار سوخت — تو در مئی درکشیدہ بہ بازار آمدہ

تو گنج بے کرانہ و عالم طلسم تو — خلقے بدیں طلسم گرفتار آمدہ

گاہے نمودہ چہرہ و گاہے شدہ محتجب — گہ چوں گل شگفتہ گہے خار آمدہ

در ہر کہ نیست پرتو نور وجود تست — خود عین تو کجا است پدیدار آمدہ

در ذات آشنا شدہ تعدد ہی — آفاق از وجود پدیدار آمدہ

چندین هزار خانه و یک نور بیش نیست — لیک اختلاف از در و دیوار آمده

اصل عدد بغیر یکی نیست در شمار — گرچه ز روی مرتبه بسیار آمده

جز و احاد ار چه نیست بتحقیق در عدد — اعداد بی شمار بتکرار آمده

یک بحر در حقیقت و امواج مختلف — هان موج هم ز بحر گهربار آمده

از یک شراب مست شده عالمی ولیک — مستیش نیست یک مختلف آثار آمده

این یک ز سر گذشته و جان داده بهر دوست — وان یک اسیر جبه و دستار آمده

این یک ز عشق سوخته پندار عقل را — وان یک ز عقل بسته پندار آمده

آن یک درون صومعه تسبیح خوان شده — وین یک بدیر واله زنار آمده

~~صورت اختلاف~~ اگر بنگری نظر — پیش تو یار نیست جز اغیار آمده

در رفع صورت

چشم دل ببند ز دیدار این و آن — وانگه ببین که کیست بدیدار آمده

از خود بره وز دیده و دیدار طلب — چون نیست جز تو طالع دیدار آمده

هر کس که سوی پرده تحقیق برد راه — منصور وار بر طلب دار آمده

آن کو چشیده چاشنی از شراب عشق — از صومعه بخانه خمار آمده

هر کس برون پرده گمانی همی برند — تا کیست آنکه محرم اسرار آمده

خاموش کن حسین که اسرار عشق دوست

برتر ز حد شیوه گفتار آمده

حفظِ صحت

فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمت

ترجمہ:- حکیم مطلق کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انسان کا فرضِ اولین ہے۔ کہ وہ اپنے بدن کے امور طبعی، اسباب۔ قوی، ارواح، اعضائے غذا کے نیک بد و مائل بافراط و تفریط ہونے کی نسبت واقفیت رکھتا ہو۔ کیونکہ العلم علمان علم الابدان و علم الادیان۔ علم الابدان مقدم علی علم الادیان۔ ترجمہ:- علم دو قسم پر منقسم ہیں۔ بدنوں کا علم، اور دینوں کا علم۔ جس شخص کو اپنے بدن کی نسبت علم نہیں اس کا دل و دماغ وہ تاب ہی نہیں رکھ سکتا۔ جس میں بسہولیت علم الٰہیات کا پرتو پڑ سکے۔ جس شخص نے اپنے جسم کو تندرست رکھا۔ اس نے خداوند تعالیٰ کی حقیقت کو سمجھا۔ مَن عَرَفَ نفسہٗ فقد عَرَفَ ربّہٗ۔ کیونکہ اگر قوی انسانی صحیح ہیں۔ تو وہ شخص حقایق کی دریافت پر کامیاب ہو سکتا ہے۔ بیمار آدمی کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ الٰہیات کے اعلیٰ نتائج کو کس طرح سمجھ سکتا ہے۔ پس اپنی ذات کا وہی صادق دوست ہے جس کا جسم تندرست اور دل و دماغ پاکیزہ ہو۔ جو شخص اپنی ذات کا دوست نہیں۔ وہ دوسروں کا دوست کس طرح بن سکتا ہے۔ حضرت امام علی نے فرمایا ہے۔ کہ ہر شخص کو اس قدر علم طب ضرور پڑھ لینا چاہیے۔ کہ جس

سے وہ اپنے جسم اور بال و بچوں کی معمولی بیماریوں کا علاج خود کر سکے، جب ابتدا بیماری سے علاج شروع کردے گا۔ تو بیماری مزمن نہیں ہونے پائے گی مروی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام جو نہایت درجہ کے متوکل باللہ تھے۔ ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ اور دوران بیماری میں فرماتے تھے۔ کہ دوا تو دوا دوہ دوہ یعنی درمان ہم عنایت نما۔ بارگاہ رب العباد سے حکم ہوا۔ کہ فبعزتی وجلالی لااشفیک حتی تستعمل ما عینوا لی فی ھذا تعقا قبرا۔ ترجمہ قسم ہے ہمیں اپنے عزت و جلالیت کی جب تک کہ تو ان اشیا مشتمل بر حیوانات، نباتات، جمادات جسمیں ہم نے شفا کی تاثیریں رکھی ہوئی ہیں۔ نہ استعمال کریگا ہم شفا نہیں دینگے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی چیز ہم نے بیکار بے فایدہ پیدا نہیں کی۔

لِكُلِّ دَاءٍ۔ دَوَاءٌ

چند مجرباتِ خود لکھے جاتے ہیں۔ شافی مطلق تو وہی ذات مسبب الاسباب ہے۔ واسطے، زکام، دکھانسی، و نزلہ دائمی جس سے بخار بھی ہو جاتا ہے۔ دردِ شکم جو ریح غلیظ کی وجہ سے ہو۔ مفید ہے۔ معدہ سے تبخیر اٹھ کر دماغ کو رقیق نہیں کرتی، اور نہ زحلق پر نہیں گرتا۔ قریباً ۲۵ سال سے یہ دوائی راحقر کے گھر ہمیشہ تیار رہتی ہے۔ پڑوسیوں، محلہ داروں، اور احباب کو مفت دیجاتی ہے۔ حفظِ ماتقدم کیلئے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

ھوالشافی

(۱) ہرڑ چھلکہ - چھلکہ بہیڑہ - آملہ چھلکہ - مرچ سیاہ - مرچ سفید - سونٹھ - جوائن

ہرڑ چھلکہ	چھلکہ بہیڑہ	آملہ چھلکہ	مرچ سیاہ	مرچ سفید	سونٹھ	جوائن
ا تولہ	ا تولہ	ا تولہ	ا تولہ	ا تولہ	ا تولہ	ا تولہ

بنانے کی ترکیب :- تمام اجزا کو الگ الگ کوٹ لیویں۔ مگر خیال رہے۔ کہ بہت باریک نہ کوٹی جاویں۔ پھر جملہ ادویہ کو ملا کر اس سفوف میں تھوڑا تھوڑا خالص شہد ملا دیویں۔ اور گوندھتے جاویں۔ جب گولیاں باندھنے کے قابل ہو جاویں۔ تو گولیاں بقدر کنار دشتی (کوکی بیر) بنا لیویں۔ بعد از غذا ایک ایک گولی دونوں وقت نگل لیویں۔ اگر بیماری کی شدت ہو۔ تو دو یا تین گولیاں بھی کھا سکتے ہیں۔ مگر احتیاط ضروری ہے :-

(۲) **نسخہ دمہ** :- تمباکو دیسی بقدر ضرورت لیکر اس کی پتیاں کھول کر کل پتر بنا لیویں۔ اور اس کو کسی محفوظ جگہ میں آگ سے جلا لیویں۔ اس راکھ کو بقدر ضرورت پانی میں بھگو دیویں۔ اور تین روز تک کسی چوب سے ہلاتے رہیں۔ چوتھے روز اس کا زلال بہت عقلمندی سے کسی برتن میں اتار لیویں۔ اور کسی دیگچی وغیرہ میں ڈال کر اس کے نیچے آنچ جلا دیویں۔ پانی جل کر نمک بن جاوے گا۔ مگر احتیاط ضرور رکھیں۔ کہ وہ جلنے نہ پاوے۔ یعنی سیاہ نہ ہو جاوے۔ بس تیار ہے۔ باریک پیس کر سخت کارک والی شیشی میں محفوظ رکھیں۔

ترکیب استعمال :- مکھن یا بالائی میں ایک گٹھہ پر چڑھا کر نگل جاویں۔ احتیاط رکھیں کہ زیادہ دوائی نہ ملائی جاوے۔

(۳) سگریٹ جو آج کل ضروری جزو فیشن بن گیا ہے۔ اس کو جلا کر اس کی راکھ ۲ ماشہ شربت بزوری سے دو وقت استعمال کریں۔ انشاء اللہ افاقہ ہوگا +

(۴) بواسیر خونی:۔ ھوالشافی

رسونت	ایلوا	تخم بکائن	تخم نیم	پوست ہلیلہ سیاہ	پوست ہلیلہ زرد	مغز چاکسو
۶ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۶ ماشہ	۶ ماشہ	۶ ماشہ

مقل	سپیستہ
۶ ماشہ	۶ ماشہ

ترکیب ساختن:۔ کل اجزا کو علیحدہ علیحدہ خوب کوٹ لیویں۔ اور مولی کے پانی میں آٹے کی طرح گوندھ لیویں۔ اور جنگلی بیر کے برابر گولیاں بنا دیں۔

ترکیب استعمال:۔ ایک گولی صبح اور ایک گولی رات کو سوتے وقت شربت کسی قسم کا ہو۔ اس کے ہمراہ استعمال کریں۔

نوٹ:۔ آج کل اگر مولی کا پانی نہ ملنے کی وجہ سے آپ تیار نہ کر سکیں۔ تو ہم بنائی خرید کر سکتے ہیں۔ فی گولی ایک پیسہ لیا جاوے گا۔ محصول بذمہ خریدار ہوگا۔ ۸ر سے کم فرمایش نہیں آنی چاہیے۔

لیپ جو مسوں پر لگانا چاہیے۔ شاخ گوزن (بارہ سنگا) پتھر پر پانی ڈال کر اچھی طرح رگڑیں۔ اور رات کو سوتے وقت مسوں پر لیپ کر دیویں۔ اگرچہ دیر کے بعد فایدہ ہوتا ہے۔ مگر اس میں کسی قسم کا خطرہ نہیں۔

۴۔ موسم گرما میں بواسیر کو بفضل رب الکریم مفید ثابت ہوا ہے۔ بینائی کو بھی فایدہ مند ہے۔ ایک تولہ تخم اسبغول دو یا تین تولہ مکھن میں ملا کر صبح نہار منہ چاٹ لیا کریں۔

اشاعت آیندہ میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ دیگر مجربات عرض کیے جاویں گے۔

آپ بیتی

تنگدستی اگر نہ ہو غالبؔ
تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت جسمانی

یہی نعمت غیر مترقبہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ امیر و غریب کی زندگی کا نصب العین ہے اور غور سے دیکھا جاوے۔ تو انسانی زندگی کے تمام دینی و دنیوی مقاصد بیشتر قیام صحت پر مبنی ہیں۔ فی الحقیقت صحت و مسرت توأم[۵] ہیں۔ اور چونکہ انسانی مسرتوں میں بہترین مسرت یہی ہے۔ کہ انسان شخصی مقاصد سے قطع نظر کرکے اپنی زندگی کو بہبودیٔ خلائق اور مفاد عام کے لئے وقف کر دے۔ اور اپنے سے زیادہ دوسروں کے کام آئے۔ ابنائے ملک و ملت کی حقیقی عظمت سمجھے۔ لہذا تحفظِ صحت اور قیام تندرستی کی کوشش نہ صرف ایک شخصی ضرورت اور ذاتی مصلحت ہے۔ بلکہ ایک اہم

۵ جوڑا بچوں کا جو اکٹھے پیدا ہوں۔

قومی اور اخلاقی فرض ہے۔

احقر کی عمر اس وقت ۴۱ ۵ سال کی ہے۔ مگر بفضل رب العالمین صحت بہت اچھی ہے۔ بڑے بڑے امیر الامرا احباب میری صحت پر تعجب فرماتے ہیں جب آنصاحبان سے ملاقات کا موقعہ ملتا ہے۔ ہمیشہ میری عمر کی نسبت دریافت فرماتے رہتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ تمہاری صحت بہت اچھی ہے۔

پروردگار کا خاص فضل ہے کہ اس ذات پاک نے احقر کو اپنی صحت کے قایم رکھنے کی طرف ۲۰ سال سے متوجہ کیا ہوا ہے۔

۱۔ **گولیاں اکسیر البدن:-** جو انسانی مشین کو بفضل شافی مطلق بالکل درست کر دیتی ہیں۔ ماسوائے تپدق کے احقر ۵ یا ۶ سال سے موسم سرما میں ان کا استعمال مسلسل کرتا ہے۔ اور بفضل اوشانہ کبھی کسی قسم کی شکایت نہیں ہوئی۔

یہ گولیاں شروع اکتوبر میں تیار ہونی شروع ہوتی ہیں۔ اور برابر ایک ماہ تک ان پر محنت کرنی پڑتی ہے۔ شروع نومبر میں ان کا استعمال شروع ہوتا ہے۔ تجربہ بھی بڑا استاد ہے۔ اگر آنصاحبان کا تجربہ کرنے کے متمنی ہوں۔ تو شروع اکتوبر میں فرمایش ارسال فرما دیں۔ تاکہ دوائی کی مقدار تیار کرنے کیلئے مقرر ہو سکے۔ پہلے پہل آپ صاحبان سے دو پیسہ فی گولی قیمت لی جاوے گی۔ جب آپ نے تجربہ کر لیا۔ اور مفید پایا۔ تو پھر تین پیسہ فی گولی انشاء اللہ تعالیٰ قیمت لی جاویگی۔ ان کا استعمال

متوہم کرتا ہیں ممنوع ہے

او ناداں! فرضی اور مصنوعی خادم خلق۔ تم کو نفس امارہ نے دھوکا میں ڈالا

ہوا ہے۔ تو نے نہیں پڑھا۔

ہوس نشستہ کہ فردا چنیں کنیم و چناں۔ خبر ندارد کو را امند فردا ئی۔

ع:۔ ساماں سو برس کے ہیں پل کی خبر نہیں

۲۔ **کشتہ فولاد:۔** جس کا استعمال موسم گرما میں کیا جاتا ہے۔ احقر نے بھی اس کا استعمال

شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ جب انسان ۵۰ سال کی عمر سے تجاوز کر جائے۔ تو پھر بہاڑے

کا ٹٹو بن جاتا ہے۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ کہ اگر بھاڑے والا ٹٹو تندرست اور توانا ہو۔ تو

آہستہ آہستہ منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے خواص یہ ہیں۔ کہ فعل ہضم کو درست

کر کے خون صالح پیدا کرتا ہے۔ اور دوران خون درست کرتا ہے۔ حبس کو بھی مفید

ہے۔ بلا آگ بوٹیوں کے پانی میں محلول ہو گیا ہے۔ حکماء ہند نے لکھا ہے۔ کہ جو شخص

ہر سال میں ایک ماہ استعمال کرے۔ اس کی حرارت عزیزی اسقدر قائم رہتی ہے۔ کہ

اس کے بدن میں مائیت پیدا نہیں ہوتی۔ اور سیاہ بال سفید نہیں ہوتے۔ احقر کے بال تو

پہلے ہی سے سفید ہو گئے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال۔

قیمت ایک ماہ کے استعمال کے لئے عصر علاوہ محصولڈاک۔ عہ روپیہ سے کم نہیں

بھیجی جاوے گی۔ ترکیب استعمال انشاء اللہ تعالیٰ ساتھ بھیجی جاویگی۔

۳۔ **واسطے اختلاج قلب:۔** دل کی دھڑکن۔ یہ دوائی بھی خاص طریقہ سے

بنائی گئی ہے۔ اگر تجربہ کرنا چاہیں۔ تو بصد خوشی کر لیویں۔ ایک ماہ کی خوراک کی قیمت عہ

اس سے کم مقدار نہیں بھیجی جاوے گی۔ ترکیب استعمال ہمراہ بھیجی جاوے گی۔

۸۔ واسطے سلسِ بول = کثرت پیشاب۔ ذیابیطس ۔ سوطاقت مردمی۔ و جریان رستورت و ...

ایک ماہ کی خوراک عہ۔ علاوہ محصول ڈاک۔

نوٹ :۔ یہ دوائی قابض ضرور ہے اس کی اصلاح تو کی گئی ہے۔ اگر پھر بھی قبض کرے۔ تو رات کو سوتے وقت ایک عدد مربہ ہلیلہ کابلی شیرہ پانی سے دھو کر استعمال کریں۔

ادعیہ عملیات و تعویذات

حدیث قدسی :۔ انا عند ظن عبدی بی میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں۔ وہ جس طرح مجھے دیکھنا سمجھنا چاہتا ہے اسی طرح اس کے گمان و تصور کے موافق میں اس کے سامنے آتا ہوں۔ انسانی طبایع مختلف اور اعتقادات مختلف ہوتے ہیں۔

ع :۔ اے ذوق اس چمن کو ہے زینت خلاف سے

بعض کا خاصہ ہے۔ کہ وہ بیماری کو رفع کرنے کیلئے بجائے ادویہ کے ادعیہ و تعویذات کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اور حل المشکلات کے وظیفہ کے طالب ہوتے ہیں۔ جو ہر قسم کا خواستگار ہو وہ ایک لفافہ میں اپنا مدعا لکھ کر دوسرے لفافہ میں اپنا پورا پورا پتہ تحریر فرما کر ارسال فرمادیں کیونکہ مسبب الاسباب نے ایسی کتب احقر کو اپنے فضل عمیم سے عطا فرمادی ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ تعمیل حکم بلا معاوضہ ہو گی۔ اگر جواب میں تاخیر ہو جاوے۔ تو معاف فرمادیں۔ کہ فرصت کا سوال ہے۔ تعمیل بتوفیق الٰہی ضرور ہو گی۔

دلا طواف دلاں کن اگر خدا خواہی ـــــ وگرنہ کعبہ و بتخانہ سر دو از سنگ است

والسلام

از کلبۂ احزان خادم خلق

اعلان فی لجب الافغان

چه سالہائے فراوان وعمرہائے دراز — کہ خلق بر سرِ ما بر زمین بخواہد رفت

چنانکہ دست بدست آمدست ملک بما — بدستہائے دگر ہمچنین بخواہد رفت

ترجمہ: کتنے بہت سال اور کتنی بڑی عمریں ہیں کہ مخلوق ان میں ہمارے سر پہ چلے پھرےگی۔ جیسا کہ ملک دست بدست ہمکو پہنچا ہے اسی طرح دوسروں کے ہاتھ میں چلا جاویگا۔ **مطلب** نہیں معلوم کتنے عرصہ تک ہمارا خلق خدا زمین پر سوندتی رہیگی۔ یہ ملک جس طرح دست بدست ہم کو پہنچا ہے اسیطرح ہم سے دوسروں کے پاس چلا جاویگا۔ یہ شعر نتیجہ خیز ہے اور یہ ملک و دولت پر ناز کا موقع ہے۔

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم + کہ پیش از تو بود ست بعد از تو ہم۔

بجز خون شاہاں دریں طشت نیست + بجز خاک خوباں دریں دشت نیست۔ خوابست جہاں ایں جہان فانی +

درخواب کجا حقیقت خود دانی + چوں رو بسوے آں جہان گزانی + پیدا شود ت حقیقت پنہانی +

مقابلہ کے بیگانہ باشی با خدا + اے برادر کہ بزماں نی با خود آ + ہر عمر کہ بدست بر سی مست بگردی مردی +

اشعار مندرجہ بالا کو وقتاً فوقتاً بوقت فرصت پڑھ لیا کریں۔ یہ دولت آنی جانی ہے جیسا

امراء کا فرض: [illegible] آپ جیسا [illegible] دینی مذہبی قومی اور خدائی فرض ہے کہ اس کتاب کو نفرت

قیمتاً خرید کر کے اپنے غریب اور بے بس [illegible] سکولوں [illegible] تقسیم [illegible]

بہتر ان مسکین صاحبان کو جن کو خریدنے کی استطاعت نہیں [illegible] سے [illegible]

مفت تقسیم کریں۔ کیونکہ احقر کے پاس فی الحال اس قدر سرمایہ نہیں کہ میں خود بخود مفت تقسیم کردوں۔ جب میرے نانا کالی
کملی والے اور میرے دادا حضرت علی مرتضیٰؓ اور میرے نانا حضرت سید رضیؓ غریب نواز اس ناچیز تحفہ کو بارگاہ رب العزت میں پیش
کرکے پاس کرادیں گے اور مجھ کو خزانہ غیب سے ایک چھوٹے سے خزانہ کی کنجی اس بارگاہ سے دلادیں گے بفیض تنہائی جیسا کہ
نہ گردد منقطع نسبت میان ہمدمان چوں ہست الفتہائے روحانی ۔ تو پھر میں انشاء اللہ تعالیٰ ان تکلفات اور تصنعات
سے فارغ البال ہوجاؤں گا اور دل ہی دل میں المعطی و انا القاسم پڑھا کروں گا۔ اور جن میرے احباب کی کونسل میں رسائی
و شنوائی ہو ان کا فرض ہے۔ کہ وہ اعلیٰ افسران محکمہ تعلیم کے روبرو اس کو پیش کرکے اسلامیہ سکولوں کیلئے منظور کرادیں
کیونکہ فرمان نبوی ہے۔ بدأ الاسلام غریباً الخ اسلام غریبوں سے شروع ہوا تھا اور آخر میں غریبوں ہی کے اندر آ
جاوے گا یعنی غریب ہی آخر وقت میں اس کی حمایت و امداد کریں گے۔ **غریب** کی تعریف امام طبرانی نے مرفوعاً روایت کی ہے۔
آنحضورؐ سے عرض کیا گیا۔ کہ غربا کون ہیں۔ فرمایا کہ صالحوں کی ایک جماعت بُرے لوگوں میں تھوڑے اچھے۔ فرمان نبیؐ ہے۔
مَن کانَ فی عونِ اخیہ کانَ اللہ فی عونہٖ۔ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی مدد میں ہوگا اللہ پاک اس کا معین و مددگار رہیگا۔

نیز اکرموا عزیز قومٍ ذلّ حضورؐ کا بھی ارشاد عالی ہے۔

متوسط طبقہ کے مسلمین کا فرض:۔ بلّغوا عنّی ولو آیۃً

ترجمہ:۔ اگر ایک آیت بھی تم کو یاد ہے۔ تو اس کی تبلیغ کرو۔

جب آپ تحفہ خرید لیں پہلے خود مطالعہ فرماویں اور اس کا مطلب سمجھ کر گھر والوں کو تلقین کریں۔ اور اس پر ان کو
ترغیب اور تحریص دلاویں۔ جو خواندہ خواتین ہیں وہ اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیں ان کی تعلیم کا نتیجہ بہ
احسن دلنشین ثابت ہوگا۔ اس کو اپنے محلہ والوں کو پڑھ کر سنادیں۔ پھر اپنے شہر کے ہمنشینوں کو سنادیں۔ جو اہل دل اس
خریداری کا خواہشمند ہو اس کو اس کے ملنے کا پتہ بتادیویں۔ آپ کے حق میں بھی **خیر الامور اوسطہا** ہمارے
آقاؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔

طبقہ غربا و مساکین مسلمین کا فرض

آپ بڑے ہی خوش قسمت ہیں کہ آپکے شکستہ دلوں میں خداوند عالم رہتا ہے۔ انا عند المنکسرۃ قلوبھم آپکی شان میں آیا ہے۔

آپ بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ رسول اللہ صلعم ہمیشہ بارگاہ رب الارباب میں ملتجی رہے۔ اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین یعنی اے میرے مولی مجھے مساکین میں زندہ رکھنا اور انہیں میں ہی مجھے مارنا۔ اور انہیں سے ہی مجھے اٹھانا

آپ بڑے ہی باعزت ہیں کہ موسیٰ سے جواب طلب ہوا کہ حضور نے آپکے ایک فرد کی بیماری میں اس کی عیادت نہ کی۔ الیٰ مرضت فلم تعدنی۔ وہ ذات پاک ہی آپکے مراتب و مدارج کو خوب جانتی ہے۔ اور آپ ہی اس کو خوب پہچانتے ہیں۔ اللہ یعلم شانہ

جب مرا بتوفیق ایزدی آپکو یہ تحفہ مفت مہیا کردیویں۔ تو آپ نے اس کو ضرور حرز جان بنا لینا اور اس کو چھاتی سے لگا لینا اور ہر روز اس کا وظیفہ کرنا اور اپنے مساکین بھائیوں کو سنانا اس کے بعد مجھ روسیاہ مسنوعی اور فرضی خادم خلق کیواسطے دعا خیر کرنا۔ کہ مولی کریم اپنے فضل عمیم اور بطفیل اپنے پیارے رسول صلعم احقر کو حقیقی معنوں میں خادم خلق بنادیویں۔ اور میں زبان حال سے یہ اشعار مندرجہ ذیل دل ہی دل میں پڑھا کروں۔

سأشربھا فی کل دیر و بیعۃ ۔ و اظھر للعشاق دینی و مذھبی۔ ترجمہ: میں ہر ایک دیر و کنیسہ میں جاکر عشق الہی کا جام پیوں گا۔ اور تمام عشاق پر اپنا دین و مذہب ظاہر کر دوں گا۔

و اضرب فوق السطح بالات جلوۃ ۔ لکاستھا لا فی الزوایات مختبی ۔ میں سب کے سامنے بالاخانہ پر بیٹھ کر نوبت بجاکر اس کا اعلان کروں گا۔ اور کونوں میں بیٹھ کر خود ہی نہ پی لوں گا۔

جب بتوفیق ربانی ہر سہ طبقات کے مسلمان اپنے اپنے فرائض مفروضہ کو اخلاص و دلی شوق و ذوق و دل و جان سے سرانجام دینگے۔ تو امید واثق ہے۔ کہ بفضل رب العالمین اسلام کی ڈوبی ہوئی کشتی کو پھر سطح آب پر کھینچ لاویں گے۔ بقول علامہ اقبال ؎ عجب کیا ہے بیڑا غرق ہوکر پھر ابھر آئے + کہ ہیں انقلاب چرخ گرداں بھی

ما علینا الا البلاغ و السلام علی من اتبع الھدیٰ

احقر خادم خلق

[illegible]